اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

فون نمبر ڈائریکٹ سسٹم
052317-340
341
342

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۲۲
شمارہ ۳
ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ
دسمبر ۱۹۸۶ء

مدیر سمیع الحق

اس شمارے میں

نقش آغاز (نفاذ شریعت نسخہ امن وسلامتی) — ادارہ — ۲

انسانیت کا حقیقی معیار — مولانا سمیع الحق — ۶

اسلام کا حکیمانہ نظام وراثت (علماء ومصلحین کی ذمہ داریاں) — مولانا برہان الدین سنبھلی انڈیا — ۱۶

تحقیق استخراج حدیث (اور کمپیوٹر نظام کا ایک جامع منصوبہ) — ڈاکٹر مصطفٰے اعظمی ریاض — ۲۵

قرآن حکیم، بائبل اور جدید سائنس — جناب کریم الدین جدہ — ۳۳

حقانیہ سے ازہر تک — مولانا مفتی غلام الرحمٰن — ۴۳

صنعت وحرفت اور پیشہ ور علماء (علامہ سمعانی سے ملاقات) — مولانا عبدالقیوم حقانی — ۴۸

دارالعلوم کے شب وروز تقریب تقسیم انعامات سے خطاب — شیخ الحدیث مولانا عبدالحق / مولانا سمیع الحق — ۵۹

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ	۴۰/- روپے	بیرون ملک بحری ڈاک	۶ پونڈ
فی پرچہ	۴/- روپے	" ہوائی ڈاک	۱۰ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے
چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

نفاذِ شریعت
نسخۂ امن و سلامتی

۱۴ اگست سے تاحال وسط دسمبر تک پورے ملک میں وقفے وقفے سے فسادات کی لہریں اٹھ رہی ہیں قتل و غارت گری، فساد انگیزی اور ہلاکت خیزی کے خون آشام مناظر سامنے آ رہے ہیں۔ نومبر میں لاہور میں ٹھوکر گروپ کی کارستانیاں، رحیم یار خان، ٹنڈو آدم اور اندرون سندھ متعدد مقامات پر قرآن کریم کی بے حرمتی و آتش زنی، محرم الحرام میں سرحد و پنجاب میں شیعہ سنی فسادات اور مساجد کی بے حرمتی اور اس سے قبل اکتوبر میں کراچی، پشاور اور کوئٹہ میں بھیانک فسادات اور اب کراچی کے تازہ ترین حالات سب کے سامنے ہیں۔ جہاں قتل و غارت گری دہشت انگیزی، آتش زنی، لوٹ مار، توڑ پھوڑ، ابلیسی قوتوں کی بربریت قومی عصبیت اذیت رسانی اور تیزاب اندازی روزانہ کا معمول ہے گویا کراچی بیروت کی طرح مختلف متحارب گروپوں کی پر تشدد تحریکوں کا گڑھ بن گیا ہے۔ محسوس ہوتا ہے، کہ وہاں شرپسندوں، غنڈوں، ڈاکوؤں، دہشت گردوں اور تخریب کاروں کا راج قائم ہو چکا ہے۔ بدامنی وحشت و درندگی اور تشدد کے اس طوفان میں سینکڑوں جانیں تلف ہو رہی ہیں آباد گھرانے اجڑ گئے۔ کروڑوں کے املاک برباد ہوئے معاشی و معاشرتی اور جانی و مالی نقصان کے علاوہ پوری دنیا میں ذلت و رسوائی اور جگ ہنسائی اس پر مستزاد ہے ——— یہ محض چند ڈاکوؤں کا مجرمانہ کردار نہیں اور نہ یہ سب کچھ حادثاتی اور اتفاقی ہے۔ بلکہ ملک کے چاروں صوبوں اور اب کراچی میں منظم دہشت گردی کے انداز میں تخریب کاری کے مسلسل واقعات اور فسادات سراسر وارداتی ہیں۔ ادھر مملکت عزیزہ پاکستان کی سرحدیں آگ اور دھوئیں کے خونی بادلوں کی زد میں ہیں۔ ناقص اور فرسودہ نظام حکومت کی وجہ سے سیاسی ابتری اور اخلاقی بگاڑ روز افزوں ہے۔ اس کے تباہ کن اثرات و مضمرات اس میں پوشیدہ تخریب کاری کے امکانات بیرونی ایجنٹوں کا بدترین کردار، مفاد پرست عناصر کی ملک دشمنی اور اس سے پیدا ہونے والی صورت حال، خدا نہ کرے کہ سندھ میں بھارت کی فوجی مداخلت کو یقینی بنانے کا جواز مہیا کر دے ۔

کونسا گوشہ ہے کہ ماتم نہیں جس میں برپا
کونسا خطہ ہے جو مضطرب الحال نہیں

ان سارے فسادات کی اصل جڑ ملک میں فرسودہ اور غیر مستحکم فرنگی نظام کا قیام ہے جس کے ایک سرے پر جاگیردار اور دوسرے سرے پر کمیشن یافتہ فوجی اور پولیس افسران، تیسرے پر بیوروکریٹس اور چوتھے سرے پر نااہل حکمران اور لادین سیاسی قائدین کا تسلط ہے۔

مسلمانوں نے بیرونی سامراج کو تو دفتروں اور بیرکوں اور مسندِ اقتدار سے اٹھا کر گھر تک پہنچا دیا مگر اس کی تہذیب اور نظام کو بدستور اپنایا بلکہ اسے سینے سے لگایا۔ دشمن نے ایچی سن، فارمن، کرسچین کالج، امرسے کالج، سینٹ پال، سینٹ جوزف، سینٹ لارنس اور گرامر کے نام سے ہزاروں سکول اور کالجز کا ملک کے چپے چپے میں جال پھیلا کر ہمارے خلاف مورچے قائم کر رکھے ہیں جہاں فوجی اور سول افسران اور سیاسی حکمران تیار ہوتے ہیں جو پورے ملک کا نظام اپنی جاگیروں کے تحفظ، اپنے مفادات کے فروغ اور سامراجی پالیسی کے استحکام کے نقطۂ نظر سے چلاتے ہیں۔ ہماری ہر کاروبار ہو منصوبہ بندی ہو تجارت ہو تعلیم ہو سیاست ہو فساد ہو امن ہو غرض قومی و ملّی تعمیر کا کوئی پہلو ہو ان کا رخ ہمیشہ لندن، پیرس، نیویارک، واشنگٹن اور وہاں کے نظام کی طرف ہی رہے گا۔ چنانچہ اب بھی کرفیو لگایا جا رہا ہے تحقیقاتی کمیشن قائم کئے جا رہے ہیں صلح و آشتی کے لئے امن کمیٹیاں بنائی جا رہی ہیں امن سے رہنے کی اپیلیں کی جا رہی ہیں مقتولین و مجروحین کے معاوضوں کا اعلان کیا جا رہا ہے، ہمدردانہ بیانات دئے جا رہے ہیں چالیس سال سے سابقہ حکمران جو کچھ کرتے آئے ہیں اب کی مسلم لیگ کے ارباب حل و عقد اور ذمہ داران حکومت بھی اسی ڈگر پہ چل پڑے ہیں مگر اس طریقہ سے فسادات میں کمی کی بجائے اضافہ ہوا ہے۔ اور چنگاریاں شعلے بن کر بھڑک رہی ہیں۔ اگر حکومت اور ملک کے سیاسی صورتحال کے ذمہ داروں نے بھی حسب سابق مغربی نظامِ حکومت اور سامراجی نظامِ سیاست اور حالیہ فسادات میں ٹھوس اور مثبت اقدام کی بجائے کمیٹی اور کمیشن کی باتوں کو جزوِ دین و ایمان اور لازمہ سیاست بنائے رکھا۔ تو پھر مستقبل قریب میں ماضی سے زیادہ ہولناک المناک شرمناک، آگ میں لپٹے اور دھوئیں میں اٹے ہوئے بہت بھیانک اور نہایت تباہ کن مناظر دیکھنے کے لئے خود کو تیار رکھنا چاہئے۔ والعیاذ باللہ۔

جب تک فرنگی نظام رہے گا کوئی مفسد گروہ کوئی تخریب کاروں کا ٹولہ، کوئی داخلی دشمن، کوئی بیرونی ایجنٹ قومی عصبیت، صوبائی وطنیت، جتھہ بندی، پارٹی بازی کی چھوٹی سی چنگاری سلگا کر پورے ملک کو تباہی اور قتل و غارتگری کے جہنم میں دھکیل سکتا ہے۔

سمی اور وبائی امراض میں صالح سے صالح غذا بھی مریض کے معدے میں پہنچ کر مسموم اور فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح مغربی نظام کے قیام و استحکام میں ہر بھلائی، صلح و آشتی کی ہر کوشش ترقی و ایجاد اور قیام امن کا ہر منصوبہ حکومت و عوام سب کے لئے مثبت نتائج کے بجائے منفی اثرات اور وبالِ جان بن کے رہ جاتا ہے۔ اگر ملک میں واقعۃً امن کا قیام، شہریوں کے مال و جان کی حفاظت، قتل و غارت کی بیخ کنی، فسادات کی روک تھام، جاہلی عصبیت

کا خاتمہ، اور ایک صالح نظام کے قیام کی ضرورت ہے۔ بلکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے سب کا فریضۂ منصبی بھی یہی ہے تو پھر سب کو خواہ وہ حکمران ہوں یا سیاست دان، عوام ہوں یا علماء، افراد ہوں یا جماعتیں۔ اپنی زمام کار، اسلام کے ہاتھوں میں دینی ہوگی جو سروری وجہانبانی، امن و حکمرانی اور قیادت کا ایک جامع نظام حیات ہے۔

جس نے انسانی روح کو اوہام خرافات، ذلت ورسوائی، تباہی وہلاکت، مرض وفساد، ظلمت وضلالت ناپاکی وگندگی، کمزوری وناتوانی، ظلم وسرکشی، انتشار وبے چینی۔ قومی عصبیت، سماجی طبقہ داریت اور جابر سلاطین کے ظلم واستحصال سے رہائی دلا کر حریت پسندی، عقیدہ واخلاق کی پاکیزگی، یقین ومعرفت، عدل وانصاف، امن و سکون، متوازن ارتقاء، عملِ پیہم سعی مسلسل کے مقامِ عروج تک پہنچایا۔ یہ نظام شریعت کی برکت تھی کہ اوس و خزرج کی جنگ بعاث کی وجہ سے ابھی خون آشام تلواروں سے خون ٹپک رہا تھا۔ کہ ان کے مجروح اور ٹوٹے ہوئے دلوں میں الفت ومحبت پیدا ہو کر باہم مصالحت ہو گئی جس کو پوری دنیا کا خزانہ خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

یہ نظام شریعت ہی کا نفاذ تھا جس نے انصار ومہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کرایا جس کے سامنے سگے بھائیوں کی محبت اور دنیا کی ساری دوستیاں بے حقیقت تھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت اور جتھے بندی کے نعروں کو نجس قرار دیا ہے حضورؐ کا ارشاد ہے۔

"جو عصبیت کا علمبردار ہو وہ ہم میں سے نہیں۔ جو عصبیت پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں اور جس کی موت عصبیت پر ہو وہ بھی ہم سے نہیں"

نظامِ شریعت معاشرے میں انسانی خاندان کے ہر فرد کو صحیح مقام دیتا، نوعِ انسانی کے افراد کو ایک خاندان میں تبدیل کرتا اور گلدستہ بنا دیتا ہے۔ یہی منہاجِ نبوت ہے۔ قومیت وعصبیت کے بجائے ہدایت اس کا ہدف ہے جس میں بے حیائی کی تمام قسمیں، عصبیت کے تمام محرکات، فساد کے تمام ترغیبات ممنوع اور خلاف قانون ہیں جس کے نفاذ سے بداخلاقی، قانون شکنی نفس پرستی اور عشرت پسندی کا رجحان مغلوب ہو جاتا ہے۔

بے حیائی اور عصبیت پھیلانے والے اشخاص مجرم اور ملک کے دشمن قرار پاتے ہیں۔ جس میں پولیس کی حیثیت صرف لٹھ بردار اور چوکیدار کی نہیں ہوتی بلکہ ایک شفیق ومربی اور ایک مہربان اتالیق کی ہوتی ہے۔

لہٰذا حالات کا تقاضا، وقت کی ضرورت اور قیامِ امن کی اہمیت کے پیش نظر ارکان پارلیمنٹ، اربابِ حکومت بشمولِ وزیراعظم وصدر مملکت سب کا یہ فرض ہے۔ کہ نفاق کے بجائے ایمان، شک کے بجائے یقین وقتی فوائد کے بجائے مستحکم عقائد موقع پرست ذہنیت کے بجائے حق پرست ضمیر، عقل مصلحت بینی کے بجائے عشق مصلحت سوز اور جذبۂ ایمان واخلاص سے کام لے کر بغیر کسی تذبذب وتاخیر کے خالق ارض وسما کا عطا فرمودہ آسمانی وروحانی نسخۂ امن وسلامتی نظامِ شریعت فوراً نافذ کر دیں جس کا جامع آئینی خاکہ جمعیت علماء اسلام کے

سکریٹری جنرل مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف نے پارلیمنٹ میں شریعت بل کے نام سے پیش کیا ہے اور جس کی فوری منظوری و نفاذ کے لئے قائد شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی قیادت میں متحدہ شریعت محاذ نے پورے ملک میں تحریک نفاذ شریعت برپا کر دی ہے۔

حالیہ فسادات مستقبل کے حالات کا پیش خیمہ ہیں۔ اگر اب بھی ذمہ داران حکومت اور ارباب سیاست اور ممبران اسمبلی اس آئینہ میں مستقبل کا چہرہ نہ دیکھ سکے اور امن و سلامتی کے ضامن نظام شریعت کی منظوری و نفاذ میں رکاوٹ بنے رہے تو قوم کے نزدیک حکومت کا یہ کردار ان لوگوں سے کسی طرح بھی کم نہیں ہوگا جو مہاجر، سندھی پنجابی، پٹھان اور بلوچی کے نام سے جتھہ بندی کر کے سرمائے، شہرت، قیادت، ہوس اقتدار، غیر ملکی ایجنٹی یا محض جہالت اور ناعاقبت اندیشی کے اندھے جنون میں مبتلا ہو کر جسد ملت کو کاٹنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں دشمنان ملک کے لئے تیشہ بدست آلہ کار کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ یا کشتی میں پڑے ہوئے مال پر لڑتے لڑتے اب جھنجھلا کر اس کے تختے اکھاڑنے پر لگ گئے ہیں۔

(ادارہ)

جناب مولانا سمیع الحق مدیر الحق
ضبط: عبدالقیوم حقانی

انسانی مجد و شرف کا حقیقی معیار

اور

اسلام کی حقیقت شناسی

(خطاب جمعہ ۵ ردسمبر مسجد دار العلوم)

بعد الخطبہ!

میں نے گذشتہ جمعہ عرض کیا تھا کہ اسلام کی نظر میں اصل چیز قلب اور اعمال کی اصلاح ہے۔ اسلام نہ تو ظاہری شکل و صورت کو دیکھتا ہے اور نہ ہی انسانیت کا معیار شرافت، ظاہری مال و دولت، شان و شوکت، ہیں، یہ سب فانی اور زوال پذیر اشیا ہیں۔ اسلام انسان میں بنیادی تبدیلی لانا اور انسان کے اندر کی اصلاح کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کی نظر معنوی چیزوں پر ہوتی ہے۔ اسلام سب سے پہلے انسان کے قلب میں انقلاب لانا چاہتا ہے۔ جب دل بدلا دل میں انقلاب آیا تو باہر کی تمام چیزیں بدل جائیں گی۔ اگر دل نہیں بدلا تو باہر کی تمام چیزیں تباہی اور ہلاکت اور انجام جہنم کا ذریعہ ہیں۔ اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ مادہ پرست قوموں کی طرح ظاہری اشیاء اور مادیت کو مطمح نظر نہ بناؤ۔ ان کو خیال میں نہ لاؤ، دل بدلو، دل میں انقلاب لاؤ تو یہ ساری چیزیں تمہارے قدموں میں ہوں گی۔ مولانا رومؒ نے مثنوی شریف میں مسلمانوں کو یہی حقیقت بڑے پیارے انداز سے سمجھائی ہے۔ فرماتے ہیں چینیوں اور رومیوں کا صنعت و کاریگری میں زبردست مقابلہ تھا۔ ہر قوم خود کو دوسرے سے باکمال سمجھتی تھی دونوں قومیں ہمیشہ اسی مسابقت میں رہیں۔ بادشاہ کو دونوں کا نزاع پیش کیا گیا۔ صنعت و کاریگری میں کمال کے دعوے کئے گئے۔ بادشاہ نے دونوں قوموں کے ماہرین کو ایک بڑے ہال میں بھیج دیا اور ہال کے وسط میں دیوار کھڑی کر دی۔ کہ ایک جانب رومی اپنے کمالات کا مظاہرہ کریں اور دوسری جانب چینی اپنی صنعت و کمال اور کاریگری کے کمالات دکھائیں۔ چینیوں نے اپنے جانب میں کاریگری، فن کاری اور مصوری اور نقش و نگار کا کام شروع کر دیا۔ دیوار کو مزین کیا اور عجیب و غریب نقش و نگار سے اس کو آراستہ کیا۔ چھ ماہ تک چینیوں کی یہ محنت جاری رہی۔ دوسری جانب رومی اپنی محنت میں لگے رہے۔ انہوں نے اپنی جانب کی دیوار پر پلستر چڑھایا اور

اس کو مختلف اشیاء سے مانجھنے اور رگڑنے سے خوب چمکایا، اور صیقل کیا۔ وہ شفاف اور صاف دیوار بن گئی۔
رومیوں نے چھ ماہ میں صرف یہی کام کیا اور بس۔

جب وقت مقررہ آیا تو بادشاہ نے محل کی درمیان والی دیوار ہٹا دی۔ ایک طرف تو چینیوں کے حسین مناظر اور دلفریب نقش و نگار تھے اور دوسری جانب رومیوں کی صیقل کردہ شفاف دیوار، جو آئینہ سے زیادہ شفاف تھی۔ جب وسط کا پردہ ہٹا تو چینیوں کے تمام مناظر و کمالات اور حسین نقش و نگار۔ رومیوں کی شفاف دیوار میں منتقل ہو گئے۔ اور صیقل شدہ دیوار میں اور بھی چمک اٹھے۔ گویا رومیوں نے، چینیوں کی تمام محنت کو اپنی طرف منتقل کر لیا۔ بادشاہ نے یہ دیکھا تو انعام رومیوں کو دیا کہ انہوں نے غیروں کے کمالات کو اپنے ہاں منعکس کر لیا۔ کہ اصل کمال یہی ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی مثال بھی با کمال رومی کاریگروں کی طرح ہونی چاہئے۔ کہ وہ خود کو دیوار کی طرح صیقل کر دیں۔ قلب صیقل ہو جائے تو اس میں روحانیت، کمالات خود بخود منتقل ہوں گے۔ راحت و آرام کا ذریعہ ہوں گے۔ اور قلب اپنی جگہ صحیح و سالم بھی رہے گا تو اسلام مسلمان کے دل کو رومیوں کی دیوار کی طرح جاذب اور صاف بنانا چاہتا ہے ؎

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو چمن درآ
تو زغنچہ کم نہ دمیدہ، در دل کشا بہ چمن درآ

فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم خود ایک بڑا گلستان ہو۔ اور دل کا دروازہ کھول دو اندر ایک بہت بڑا گلشن ہے۔ جس میں جنتیں ہی جنتیں ہیں۔ مادہ پرست لوگوں نے اپنے قلوب میں جہنم کو جمع کر دیا ہے اور مسلمان کو حکم ہے کہ تم اپنے قلوب میں جنتیں سمیٹ لو۔ اس دنیا میں بھی ایک جنّت ہے اور وہ سکون و عافیت کی جنّت ہے وہ قناعت و زہد، تقویٰ و طہارت کی جنت ہے۔ وہ اعمالِ صالحہ کی جنت ہے۔ ایثار و قربانی، اللہ کی محبت اور دنیا کی بے ثباتی کے یقین کی جنت ہے۔ آج یورپ کے لوگ بظاہر جنتوں میں رہ رہے ہیں۔ مگر ان کے قلوب میں دوزخ کی آگ ہے۔ بے چین ہیں مصیبتوں میں مبتلا ہیں۔ گویا مومن کے دل کو اللہ جنّت بنا دیتے ہیں۔ اور وہ ایک باغیچہ بن جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولمن خاف مقام ربہ جنتان اس کا ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ آخرت میں اللہ پاک اہلِ ایمان کو ہر چیز دوگنی اور ہر نعمت ڈبل ڈبل عطا فرمائیں گے۔ مگر اس کا ایک معنیٰ علامہ ابن تیمیہ نے یہ بھی کیا ہے کہ جنتیں دو ہیں۔ ایک دنیا میں ہے اور ایک آخرت میں۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

ان فی الدنیا جنتہ من لم یدخلھا	دنیا میں بھی ایک جنت ہے جو دنیا کی جنت
لم یدخل جنتہ الاخرۃ	میں داخل نہ ہو سکے اسے آخرت کی جنت میں

جگہ نہیں ملے گی۔

اس دنیا کی جنت کا نقشہ باری تعالیٰ نے اس طرح کھینچا ہے:-

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ۰ نحن اولیاء کم فی الحیاۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون نزلاً من غفور رحیم۔

جن لوگوں نے دل سے اقرار کر دیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔ اور ہم تمہارے رفیق تھے۔ دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور تمہارے لئے اس جنت میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے۔ نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے۔

یعنی جس نے مادی چیزوں سے دل کے دروازے بند کر دیئے اور عرش کی طرف دل کا دروازہ کھول دیا تو وہ مستقیم ہوگیا اسے پھر اللہ پاک دنیا میں عظیم مقام سے نوازتے ہیں۔ ان لا تخافوا ولا تحزنوا، خوف اور حزن یہ بہت زیادہ تکلیف دہ چیزیں ہیں۔ مسلمانوں کو بشارت ہے کہ تمہیں دنیا میں نزع کی حالت میں، برزخ میں، محاسبہ کے وقت اور آخرت میں کوئی خوف اور حزن نہ ہوگا۔

خوف کا معنیٰ یہی ہے کہ نعمتیں جو اللہ نے دی ہیں اور اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے مگر ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے کہ کوئی چرا لے گا۔ چھین لے گا، ختم ہو جائیں گے۔ کروڑپتی لوگ ہمیشہ اسی غم میں مبتلا رہتے ہیں۔ محاسبہ کا۔ ٹیکسوں کا خوف۔ چھاپہ لگنے کا خوف۔ ہلاکت کا خوف۔ کارخانوں پر سرکاری قبضوں کا خوف۔ ڈاکے کا خوف، نرخوں کے گرنے کا خوف رہتا ہے۔ دنیادار اسی میں مبتلا رہتے ہیں۔

اور حزن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت دی ہے اور وہ زائل ہوگئی اب اس کے زائل ہونے کے بعد پریشانی و اضطراب اور بے چینی لگ گئی ہے۔ زوالِ نعمت کے بعد انسان پر جو حالت آتی ہے حزن کہلاتی ہے۔ اور نعمت موجود ہے مگر زائل ہونے کا کھٹکا ہے یہ خوف ہے آج اہلِ دنیا ان ہی دو چیزوں میں مبتلا ہیں۔ روس، امریکہ، بڑی طاقتیں، سب کچھ ہے طاقت اور حکومت ہے مگر پھر بھی باہم برسرِ پیکار ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کو ایک دوسرے سے خطرہ ہے

کہ حکومتیں چھین نہ لی جائیں اپنے اقتدار و حکومت کے تحفظ کے لئے ہر ایک دوسرے پر حملہ آور ہے۔

خوف اور حزن دونوں عظیم مصیبتیں ہیں۔ جو دنیا میں انسان کو مفلوج کرکے رکھ دیتی ہیں مگر جن لوگوں کو اللہ نے ان دونوں ابتلاؤں سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ بڑے مزے میں ہیں مال چلا گیا تو چلا جائے کہ اللہ نے دیا تھا اس نے لیا۔ بیٹا فوت ہوگیا تو اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی۔ اور اسی طرح حزن نہیں ہے کہ صحت چلی گئی حزن نہیں، اللہ کی تقدیر پر راضی ہے تو جن لوگوں کو عدم خوف اور عدم حزن کی بشارت مل جائے ان لا تخافوا و لا تحزنوا کا اعزاز مل جائے وہ دنیا میں بھی جنت میں ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے۔

کنتم توعدون ۔ جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔

نحن اولیاءکم ۔ مستقل بشارت ہے۔

ولکم فیہا ما تشتھی انفسکم مستقل بشارت ہے۔

ولکم فیہا ما تدعون ۔ یہ بھی مستقل بشارت ہے۔

ان لا تخافوا ولا تحزنوا ۔ یہ بھی مستقل بشارت ہے۔ گویا جو شاعر نے کہا تھا ؎

جنت آں جا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

جنت وہی ہے جس میں دل کی تکلیف نہ ہو روح پریشان نہ ہو ہمارے اکابر اور اسلاف امت کو دل کی جنتیں حاصل تھیں۔ مصائب آئے تکالیف آئیں وہ سب خندہ جبینی سے برداشت کرتے رہے۔ بیماریاں آئیں، وہ کسی قسم کا جزع فزع رونا دھونا اور پریشانی و بے اطمینانی کا اظہار نہ کرتے۔ ہر حال میں شاکر رہتے۔ حضرت عمران بن حصین رضا ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ اللہ نے انہیں بڑی عمر دی تھی۔ بصرہ میں قیام تھا دین کا سرچشمہ تھے۔ حضرت عمران رض قضاء کے منصب پر فائز تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنذارۃ آنہ الشک کی بشارت بھی دی تھی۔ اور ترمذی شریف میں یہ حدیث جگہ جگہ منقول ہے نہی عن الکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے سے داغنے سے معالجہ کو منع فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا کہ مومن اور اہل ایمان بندے لوہے سے داغنے کے طریقہ علاج کو اپنائیں۔ آپ کی اس سے غرض یہ تھی کہ مسلمان خدا کی ذات پر بھروسہ کریں تو حضرت عمران رض رویا کرتے تھے کہ ہمیں حضور نے اس طریقہ سے منع فرمایا تھا مگر اس کے باوجود اس کو اختیار کیا گیا تو اس سے کوئی فرق نہ ہوا صحت نصیب نہ ہوئی تو ہم تکلیف میں مبتلا کر دیئے گئے۔

بہر حال حضرت عمران جیسے عظیم اور جلیل القدر صحابی کہ علماء فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں فرشتے ان سے مصافحہ کرتے تھے۔ ان کا مقام بھی ایسا تھا کہ صابر اور شاکر رہتے تھے بڑے بڑے تکالیف اور شدائد پر ان کا قلب

متاثر نہ ہوا۔ وہی حضرت عمران بیمار ہوئے۔ بواسیر کی بیماری ہوئی فبقی علی سریرہ ثلثین سنۃ صابرا وللہ اکوا دصا مدا علماء لکھتے ہیں تیس سال تک چارپائی پر پڑے رہے۔ چارپائی پھاڑ دی گئی تھی خون رستا تھا تیس سال ایسی حالت و آزمائش میں گذارے مگر حامد و شاکر اور صابر رہے بڑے بڑے تلامذہ تابعین کے ان کے عجیب و غریب اور ایمان افروز حالات لکھے ہیں۔ ایک شاگرد کافی دنوں بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا ملاقات کے لئے، حضرت عمران رضہ بہت ناراض ہوئے اور کہا تم نے مجھے بھلا دیا۔ شاگرد رو دیا اور عرض کیا حضرت! آپ مجھ سے کبھی نہیں ہر گھڑی مجھے یاد رہتے ہیں۔ مگر آپ کی یہ حالت، یہ بیماری اور شدت علالت دیکھنے کی تاب نہیں۔ برداشت نہیں۔ حضرت عمران رضہ ان کی اس بات پر مزید ناراض ہوئے اور فرمایا۔

دیکھو! میں نے تو اس علالت اور بیماری کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور تحفہ قرار دیا ہے۔ اسے خدا کا انعام سمجھتا ہوں انسان کے ساتھ جب اس کا محبوب ہوا اور وہ وصال محبوب کی کیف و مستی میں مستغرق ہو تو اس کو تکلیف یا رنج و الم کا خیال نہیں ہوتا۔ تو میرے لئے بھی یہ تکلیف اور بیماری یہ علالت اور مصیبت ابتلاء اسے میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ محبوب چیز سمجھ رہا ہوں۔ معبود برحق اور محبوب حقیقی کا تحفہ ہے۔ اگر یہ تکلیف چند لمحے مجھ سے جدا ہو جائے تو مجھے اس پر کوفت ملال ہوتا ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ حضرت عمران رضہ کا سارا بدن کمزور اور لاغر ہو گیا تھا۔ ۳۰ سال سے طویل مرض اور خونی بواسیر کا مرض تھا۔ مگر اس کے باوجود ان کا چہرہ سرخ و سفید تر و تازہ اور ایسا شاداب تھا اور اس میں ایسی رعنائی تھی کہ لوگ یہ محسوس نہ کر سکتے کہ وہ واقعۃً بیمار بھی ہیں دل خوش ہو تو چہرہ پر اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ انہوں نے دل کو اللہ کی محبت و اطاعت سے منور کر لیا تھا۔ اسی طرح تاریخ میں ایک دوسرا واقعہ مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر رضہ کا منقول ہوتا چلا آیا ہے۔ حضرت عروہ مدینہ منورہ کے قراء سبعہ میں سے ایک ہیں۔ آج کی اصطلاح کا قاری مراد نہیں بلکہ اس زمانہ میں جید علماء اور اساطین علم کو قراء کہا جاتا تھا۔

حضرت عروہ کے دو بھائی اور بھی ہیں۔ عبداللہ ابن زبیر رضہ جو عظیم اور جلیل القدر صحابی ہیں خانہ کعبہ کے محاصرہ میں شہید ہوئے۔ حضرت اسماء رضہ کے بیٹے ہیں۔ اور مصعب بن زبیر رضہ ہیں۔ تینوں بھائی ایک مرتبہ حرم شریف میں بیٹھے تھے تینوں نے اپنے مستقبل کی دعائیں مانگیں۔ عبداللہ ابن زبیر رضہ نے دوسری دعاؤں کے ساتھ یہ دعا بھی کی کہ اللہ پاک مجھے حجاز کی حکومت عطا فرما دیں۔ حضرت مصعب بن زبیر رضہ نے دعا کی کہ مجھے عراق اور شام کی حکومت مل جائے۔ عروہ بن زبیر رضہ نے دعا کی کہ اللہ مجھے دین اسلام کا خادم بنا دے۔ اور علوم حدیث کی نشر و اشاعت میں میری زندگی گذرے۔ اور خدا مجھے اتنی فراخی دے کہ طلبہ پر خرچ کرتا رہوں۔ تاریخ نے تینوں کی دعائیں اور نتائج محفوظ کر لئے ہیں۔ چنانچہ دعائیں قبول ہوئیں۔ عبداللہ بن زبیر رضہ کے پاس حجاز کی حکومت آئی اور اسلامی

تاریخ میں ان کی شخصیت کو اہم مقام ملا۔

حضرت مصعب بن زبیر کو عراق کی حکومت ملی۔ اور عروہ بن زبیر کو اللہ نے مدینہ منورہ میں علوم نبوت کا جید عالم اور مرجع طلبہ بنا دیا۔ ان کا ایک بہت بڑا باغ تھا جب فصل تیار ہو جاتی تو اعلان کر دیتے کہ طلبہ اور فقراء آئیں اور اپنا اپنا حصہ لے جائیں۔ شب و روز علم حدیث اور اسلامی علوم کی ترویج اور اشاعت اور خدمت میں معروف رہتے۔

یہی حضرت عروہ بن زبیرؓ بنی امیہ کے زمانے میں بیمار ہوئے ان کی شخصیت عظیم شخصیت تھی۔ مدینہ منورہ کے امام تھے، بنی امیہ کے بادشاہ اور اسی طرح بنی عباس کے بادشاہ عمومی طور پر اہل علم کی بہت زیادہ قدر کرتے تھے ان کا احساس تھا کہ علماء کی قدر و منزلت کی جائے۔

بڑے بڑے ڈاکٹر حضرت عروہ کے علاج پر مقرر ہوئے۔ اور یہ ولید بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ جو بنی امیہ کا حکمران تھا۔ ڈاکٹروں نے کوششیں کیں۔ مگر ناسور بڑھ رہا تھا۔ اور کوئی طریقہ اس کے معالجہ کا کارگر ثابت نہیں ہو رہا تھا آخر ڈاکٹروں نے پاؤں کے کاٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ دمشق اس زمانے میں بنی امیہ کا دارالخلافہ تھا۔ اور قصر الخضراء جس میں بادشاہ رہا کرتے تھے۔ جیسے آج کل وائٹ ہاؤس (قصر البیضا) وغیرہ کی اصطلاح ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر اسی محل میں لائے گئے۔ مشہور ڈاکٹر اور ماہر اطباء جمع تھے۔ آپریشن کا فیصلہ کیا گیا اس زمانہ میں معالجات کی موجودہ ترقیاں کب تھیں۔ نشہ وغیرہ موجودہ ترقی یافتہ شکل میں نہیں تھا۔ لوہے کو آگ پر گرم کر کے جسم پر رکھتے گوشت کاٹتے۔ مریض یہ سارا منظر آنکھوں سے دیکھتا۔ ہڈیاں کاٹتے مگر عمل سے قبل وہ مریض کو بے ہوش کرتے جب حضرت عروہ کے پاس بے ہوش کرنے کا سامان لایا گیا تو آپ نے شدت سے انکار کر دیا۔ ادھر ولید انتہائی بے چین تھا اور اپنے کمرے میں مضطربانہ چکر لگا رہا تھا کہ خدا جانے کیا ہوگا، اور کیا گزرے گی حضرت عروہ نے فرمایا مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو بے ہوش کئے بغیر آپریشن کا عمل شروع کر دو۔

تو ڈاکٹروں نے انہیں بے ہوش کئے بغیر آپریشن شروع کر دیا۔ ڈاکٹر اور اطباء حیران تھے کہ اس قدر شدت تکلیف اور عمل آپریشن کے باوجود حضرت عروہ صبر و تحمل اور اف کئے بغیر سارا منظر آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور صبر کئے آرام سے پڑے ہیں۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ان کا آپریشن جاری رہا اور بیداری اور ہوش کی حالت میں ان کا پاؤں کاٹ دیا گیا۔

لوگوں نے پوچھا اس قدر شدید تکلیف میں آپ کیسے صبر کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا میں نے اپنا قلب اپنے اللہ کی طرف متوجہ کر لیا اور میرا یقین تھا کہ یہ تکلیف و مصیبت، یہ پریشانی اور غم یہ درد و الم اللہ کا دیا ہوا ہے۔ میں اس احساس میں اس قدر مست ہو گیا کہ مصیبت کی طرف توجہ ہی نہ رہی۔ یہ ہے دین اسلام کی

تعلیم، کہ انسان جب نعمت ومصیبت کے فلسفہ کو سمجھ لیتا ہے تو اس کو درد والم اور ہر غم اور ہم میں اپنے خالق کا اور اپنے اللہ کا دھیان رہتا ہے ۔ حضرت عروہؓ کا پاؤں کاٹا گیا مگر ان کے قلب کو کوئی زحمت نہ ہوئی۔ اور یہ تکلیف وغیرہ تو قلب کی وجہ سے ہوتی ہے ۔ جب پاؤں کٹ گیا تو انہوں نے ڈاکٹروں سے کہا کہ یہ پاؤں مجھے دے دو، اپنا پاؤں ہاتھوں میں لے کر کہنے لگے ۔ اے پاؤں تو گواہ رہ، کہ عروہ نے تجھے کبھی گناہ میں استعمال نہیں کیا۔ تو قیامت کے روز یہ گواہی دے گا کہ عروہ نے مجھے گناہ کے لئے نہیں اٹھایا۔ ایسی حالت میں ایک اعرابی آیا جو شور کر رہا تھا، چیخ رہا تھا اس کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ مجھے امیر المومنین کے پاس پہنچا دو۔ بادشاہ نے سنا تو فرمایا۔ اسے آنے دو، بات کیا ہے ؟

جب بادشاہ کے پاس لایا گیا تو وہ رو رہا تھا۔ اندھا اور بہرہ تھا آنکھیں باہر نکل چکی تھیں ۔ کہا، جی میں فلاں جگہ سے آرہا تھا۔ راستہ میں صحرا آیا جہاں پڑاؤ ڈالا۔ میرے ساتھ اہل خانہ اور بچے تھے مال مویشی تھا کچھ زندگی کے اسباب تھے مگر کچھ درندوں نے تباہ کر دیا اور کچھ ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ درندوں نے میرے بچے ہلاک کر دیئے میں لٹ گیا۔ میں ایسی حالت میں حاضر ہوا ہوں اور فریاد کر رہا ہوں ۔

ولید نے کہا کہ اس مظلوم کو حضرت عروہ کے پاس لے چلو، تا کہ اسے اپنی نعمت کی اور زیادہ قدر ہو جائے ۔۔ کہ اعرابی کی حالت دیکھ کر اسے منعم حقیقی کے انعامات واکرام کا مزید احساس اور جذبہ تشکر وسپاس پیدا ہو جائے گا

حکیم الامت حضرت تھانویؒ جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ ہیں، نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ہم مکہ معظمہ حاضر ہوئے ۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ کی مجلس میں، وہ نعمتوں اور مصیبتوں کے فلسفہ پر بحث فرما رہے تھے ۔ کہ نعمتیں بھی اللہ کی طرف سے نعمت ہوتی ہیں ۔ اور مصیبتیں بھی اللہ کی طرف سے نعمت ہوتی ہیں۔ عجیب وغریب، بحث کر رہے تھے کہ تکلیف ومصیبت پر رونا دھونا نہیں ہونا چاہئیے ۔ بلکہ اللہ کی مرضی پر راضی رہنا چاہئیے ۔ اسی دوران مجلس میں ایک صاحب حاضر ہوئے جو رو رہے تھے اور پریشان تھے کراہ رہے تھے ان کے جسم پہ ایک پھوڑا نکلا تھا جس کے درد سے وہ بے چین تھے ۔ کہہ رہے تھے کہ حضرت مصیبت ہے، درد والم ہے ۔ میرے تحمل سے باہر ہے ۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ہم بھی اسی مجلس میں بیٹھے تھے اور دل میں وسوسہ آیا کہ حضرت حاجی صاحب ابھی یہ تقریر فرما رہے تھے کہ مصیبت بھی ایک نعمت ہے جو اللہ کی طرف سے ہے ادھر یہ آدمی رو رہا ہے کہ میں مصیبت سے اور درد والم سے ہلاک ہو رہا ہوں، تکلیف میں ہوں ۔ حاجی صاحب اسے کیسے نعمت قرار دیتے ہیں ۔ یہ وسوسہ ہمارے دل میں آیا تو حضرت حاجی صاحب نے فوراً وہی مضمون شروع کر دیا اور فرمایا اس مریض کے لئے دعا کر دیجئے، اور دعا کرنے لگے کہ بار الٰہ، یہ تکلیف بھی آپ کی طرف سے نعمت ہے عظیم نعمت ہے ۔ یہ پھوڑا اور یہ درد وغم بھی نعمت ہے ۔ اس کی ٹیس بھی نعمت ہے ۔ مگر اے اللہ! یہ شخص کمزور ہے متحمل نہیں اس نعمت کا ۔ اللہ اس نعمت کو عافیت کی

کی نعمت سے بدل دے۔ بعض اوقات جب صحت نہ ہو تو تحمل نہ ہو تو دنیوی نعمتیں بھی کڑوی لگتی ہیں۔ چینی بھی کڑوی لگتی ہے۔

یہ مصیبت بھی نعمت ہے مگر ظرف پر ہے کہ تم اس کو برداشت بھی کر سکتے ہو یا نہیں۔ تو حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنی دعا میں ہمارے سارے وسوسے دور کر دیئے۔ بہرحال اسلام اولاً قلب کا علاج کرتا ہے جب قلب اور روح درست ہو جائیں تو سارا جسم درست رہے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

الا ان فی الجسد لمضغة اذا فسدت	جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر وہ درست رہا
فسد الجسد کله واذا صلحت صلح	تو سارا جسم درست رہے گا اور اگر وہ خراب
الجسد کله	ہوا تو سارا جسم خراب رہے گا۔

جب دل درست ہے تو ہاتھ پاؤں کٹ جانے سے انسان پھر بھی باقی رہے گا۔ اور انسان کہلائے گا۔ مگر ؎

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

مطلب یہ ہے کہ اگر دل مر جائے تو زندگی نہیں۔

جسم میں فاسد مادہ ہے۔ جہاں سے پیپ بنتی اور سارے جسم میں پھیلتی ہے۔ ڈاکٹر کا کام ہے کہ اسی فاسد مادہ کا علاج کرے اگر آپ مریض ہیں اور آپ کسی عطائی دکاندار کے پاس چلے گئے۔ اور وہ اصل فاسد مادہ کا علاج نہ کرے اور نہ ظاہری زخم پہ مرہم رکھ دے، اس سے ظاہر زخم تو دب جاتا ہے مگر فاسد مادے کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ اندر ہی اندر بڑھتا رہتا ہے۔ اور پھر کسی وقت شدت سے سارے وجود کی ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ اور اگر ایک ماہر ڈاکٹر اور حکیم حاذق سے علاج کیا جائے تو وہ اولاً مرض کی تشخیص اور تحقیق کرے گا اور جڑ تک اور اصل تک رسائی حاصل کرے گا۔ کہ یہ فاسد مادہ کہاں سے پیدا ہو رہا ہے جب مادۂ فاسدہ کا اندر سے علاج ہو جاتے تو باہر کے زخم خود بخود درست ہو جائیں گے۔ جس طرح انفرادی جسم پر پھوڑے نکلتے ہیں اسی طرح ہمارا ایک اجتماعی اور ملی جسم ہے مسلمان معاشرہ سارا ایک جسم ہے اس معاشرہ میں بھی کبھی کبھار فاسد مادہ اپنا اثر دکھاتا اور پھوڑے اٹھواتا ہے کبھی قاتل کی شکل میں، کبھی ڈاکو کی شکل میں، کبھی دروغ گوئی کی شکل میں۔ کبھی زانی کی شکل میں کبھی قومی مجرم کی شکل میں یہ سب اجتماعی قسم کے زہریلے اور خطرناک پھوڑے ہیں۔ یہ سب اعمال جرائم ڈکیتیاں، دنیا پرستی، قتل و اغوا، خواہشات اجتماعی جسم کے پھوڑے ہیں۔

ہر دور میں اہلِ دنیا اجتماعی جسم کی اصلاح پہ کوشش کر رہے ہیں۔ دنیا کے حکماء اس کا معالجہ کر رہے تھے

مگر سب عطائی تھے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ معاشرہ میں جو بغاوت اور سرکشی انسان میں آئی ہے اس کا علاج طبقاتی تفاوت کا خاتمہ ہے۔

ایک شخص بہت زیادہ مالدار ہے مگر دوسرا غریب ترین شخص ہے جو غربت میں پس رہا ہے وہ جرائم و بدامنی اور بداخلاقی پر مجبور ہوتا ہے۔ مگر یہ علاج درست ثابت نہیں ہوا کیونکہ صرف غربت کی وجہ سے انسان ظالم اور ڈاکو نہیں بنتا، مجرم نہیں بنتا۔ اس لئے کہ مالدار، غرباء سے بڑھ کر جرائم پیشہ ہے۔ غریب ایک بار کسی جرم و گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو مالدار دس چند اس کا مرتکب بنتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سپاہی کی تنخواہ تھوڑی ہے اس لئے وہ رشوت پر مجبور ہوتا ہے لہذا سپاہیوں کی تنخواہ بڑھا دی جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ سپاہی اگر دس روپے کی رشوت لیتا ہے تو تھانیدار سو روپے کی رشوت لیتا ہے۔ ڈی ایس پی کا ریٹ ہزار روپیہ ہے۔ ایس پی کا ریٹ دس ہزار روپیہ ہے اور آجوان سے بڑے آفیسر ہیں۔ ان کا ریٹ ان سے بڑھ کر ہے۔

معلوم ہوا کہ عہدہ اور منصب کا تفاوت بھی ان جرائم کی وجہ نہیں اگر چھوٹا افسر ظالم ہے تو بڑے درجہ کا افسر اس سے بڑھ کر ظالم ہے جس قدر فساد دولت مند اور امراء کے طبقہ میں ہے اتنا فساد معاشرہ کے غرباء میں نہیں۔ تو طبقاتی تفاوت کا خاتمہ اصلاح انسان کی وجہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بعض نے کہا کہ سخت اور شدید ترین قوانین اور تعزیرات ہونے چاہئیں۔ انسان کو مکمل گرفت میں لانا چاہئے۔ کہ چوری، ڈاکہ، قتل اور بدامنی نہ پھیلا سکے۔

مغربی حکومتوں کا سارا زور قوانین پر ہے۔ حالانکہ یہ بھی علاج نہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے مگر مغربی قوموں نے اسے سرکش گھوڑا بنا لیا ہے۔ جس کو قوانین کی لگام اور شکنجہ ڈال دیا گیا۔ مگر جب تک اندر کی اصلاح نہ ہو قوانین بے کار ہیں۔ امریکہ عاجز آچکا ہے اس کے سارے قوانین بے کار ہو چکے ہیں۔ امریکہ شراب سے تنگ آیا تو ممانعت کا قانون جاری کر دیا۔ اور شراب کو بند کر دیا۔ مگر لوگوں نے قانون سے بچنے کے عجیب و غریب طریقے نکالے کہ حکومت بھی حیران رہ گئی۔ قانون کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ لوگ سائیکل کے ٹائروں ٹیوب میں شراب بھر کر دفتروں میں لانے لگے۔ ایسے ہزاروں طریقے نکالے کہ حکومت کے قانون کی دھجیاں اڑا دیں۔ پہلے اگر دس من شراب بنتی تھی اب وہ سینکڑوں من تک پہنچ گئی۔ قانون سے بچنے کے لئے سینکڑوں راستے میں جہاں پولیس گورنمنٹ اور حکمرانوں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ہزاروں بھٹیاں قائم ہوئیں بالآخر امریکہ مجبور ہوا اور امتناع خمر کا قانون واپس لے لیا۔ آج امریکہ ہیروئن کے خلاف جنگ کر رہا ہے۔ وہاں کے لوگ اس سے تباہ ہو رہے ہیں۔ ان کے اخلاق و کردار زوال پذیر ہیں۔ وہ ساری دنیا کی منت کر کے کروڑوں اربوں روپے کی لاگت سے پاکستان میں اس کو بند کرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر اس ہیروئن اور نشہ کی لعنت میں خود ہمارے مسلمان ملوث نہ ہوتے تو ہر ممکن طریقہ سے یہ ہیروئن، چرس و افیون امریکہ پہنچا دینی چاہئے۔ یہ گویا ایک قسم جہاد ہوتا۔

میں نے ایک مرتبہ یہ بات پارلیمنٹ میں بھی کر دی تھی تو سب نے مجھے کہا مولانا! تمہیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ امریکہ کو کون ناراض کر سکتا ہے۔ میں نے ارکان پارلیمنٹ سے کہا، ارے خدا کے بندو! انہوں نے تو کئی صدیوں سے ہمیں تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ ہیروئن کے نشوں سے زیادہ مضرت رساں بدترین تہذیب مغربیت، فحاشی، الا وینیت وی سی آر کی لعنت بھیج کر ہماری تہذیب و تمدن کو تباہ کر ڈالا ہمیں جسمانی اور ذہنی طور پر غلام بنایا ہم اگر انہیں ٹینک توپ اور میزائل سے تباہ نہیں کر سکتے اس راہ سے تو انہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ اس زہر سے برباد ہو جائیں تو بہتر ہے کہ ساری انسانیت ان کے مظالم سے کراہ رہی ہے اور نالاں ہے۔ ہیروئن کی یہ لعنت وہاں تو پہنچے گی یا نہیں مگر کراچی تک پہنچتے پہنچتے ہمارے سینکڑوں جوانوں کو شکار کر لیتی ہے۔ اب وہ ہزاروں راستے بنا رہے ہیں۔ قانون بنا رہے ہیں تو قانون جرائم اور گناہ کو ختم نہیں کر سکتا۔ قانون کی حیثیت اپنی جگہ مسلّم، مگر اس سے بڑھ کر اولین اقدام اصلاح معاشرہ کا وہ معاشرہ کا اندرونی اصلاح ہے۔ اسلام اندر کی اصلاح کرتا ہے۔ اب یہ ظاہری قانون ہے ہیروئن لے جانا بند ہے مگر اخبارات میں آپ دیکھتے ہیں کہ چھوٹے بچوں کا پیٹ پھاڑ کر اس ہیروئن سے بھر دیتے ہیں پھر عورتیں اسے سینے سے لگا کر سرحدیں عبور کرتی ہیں۔ یہ ایک مثال ہے ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں تو انسان ایک سرکش گھوڑا نہیں کہ لگام سے تھام لیا جائے اور ڈنڈے کے زور سے کام کرے۔

حضرت امام احمد بن حنبل بڑی بڑی اور عظیم آزمائشوں میں مبتلا ہوئے اور بنو عباس کے دور میں ان کو بڑے مصائب، تکالیف اور شدائد کا سامنا ہوا۔ مگر ان کی استقامت پہاڑوں کی طرح مضبوط تھی۔ ان کی پیٹھ سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں مگر مسئلہ حق میں ان کے پاؤں میں لغزش اور ڈگمگاہٹ نہیں آئی۔

امام احمد بن حنبل کبھی کبھار اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کہہ دیتے رحم اللہ ابا الہیثم۔ اللہ پاک ابو الہیثم پر رحم فرمائے لوگوں نے پوچھا کہ یہ ابو الہیثم کون خوش نصیب انسان ہیں کہ آپ اٹھتے بیٹھتے ان کے لئے دعا گو رہتے ہیں۔ فرمایا! ابو الہیثم کے ہاتھوں میں ہلاکت و تباہی سے محفوظ رہا۔ ابو الہیثم بنی عباس کے دور کا مشہور اور بدنام ڈاکو تھا۔ امام نے کہا جب حکومت مجھے گرفتار کر کے جیل بھیج رہی تھی اس وقت ابو الہیثم جیل سے نکالا جا رہا تھا تو وہ میرے پاس بھاگتا ہوا آیا اور چپکے سے میرے کان میں کہا کہ دیکھو! میں مشہور ڈاکو ابو الہیثم ہوں آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزمائش و ابتلاء میں ہیں اور میں صرف چند ٹکوں اور دنیا کی حقیر اور فانی چیز کیلئے بار بار جیل میں گیا ہوں کوڑے کھاتا اور سزائیں بھگتتا ہوں میں بیسیوں مرتبہ جیل جا چکا ہوں مگر جونہی رہائی ملتی ہے پھر اپنے کام ڈاکہ زنی میں مصروف ہو جاتا ہوں تو آپ اللہ کے دین کیلئے جیل جا رہے ہیں خبردار آزمائش میں فیل نہ ہو جائیں اور اپنا مشن ترک نہ کر دیں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا مجھے اس وقت استقامت کا سبق اس مقام کے تحصیل و جذبہ کا شوق پیدا ہوا۔ بہر حال یہ عرض کر رہا تھا کہ جرائم کو صرف قوانین اور ضوابط سے نہیں روکا جا سکتا اس کیلئے اندر کا انقلاب، ضمیر کی پاکیزگی اور دیانت کا معاشرہ قائم کرنا ہوگا۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلام کا حکیمانہ نظامِ وراثت
اور
علماء و مصلحین کی ذمہ داری

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین محمد والہ وصحبہ اجمعین

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین اسلام اور اس کے قوانین میں انسانی احساسات طبعی رجحانات اور فطری تقاضوں کی جیسی اور جتنی رعایت کی گئی ہے اس کی نظیر کسی بھی دوسرے مذہبی یا غیر مذہبی، وضعی یا غیر وضعی قانون میں ملنی نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ یہ خالی دعویٰ یا خوش عقیدگی پر مبنی بے بنیاد خیال نہیں بلکہ دلائل و شواہد سے ثابت شدہ ایک حقیقت ہے۔ جس کی صداقت کوئی بھی انصاف پسند جب چاہے شرعی احکام کا غیر جانب دارانہ اور حقیقت پسندانہ گہرا مطالعہ کر کے معلوم کر سکتا ہے۔

اسلام کے وسیع اور جامع نظام میں صرف انسان کی محدود و فانی زندگی کے ہی واسطے عادلانہ و حکیمانہ قوانین عطا نہیں کئے گئے۔ بلکہ اس عارضی حیات کے خاتمہ کے بعد کے لئے بھی احکام و ضوابط دئے گئے ہیں۔ (جن کے نافذ کرنے کی ذمہ داری- ظاہر ہے کہ — زندہ لوگوں پر ڈالی گئی ہے) اس کی ایک اہم مثال ترکہ و میراث کے نہایت وسیع اور جامع نظام میں ملتی ہے۔ جو تمام اسلامی قوانین کی طرح بے حد متوازن اور عادلانہ اصول پر قائم ہے۔

اس نظام (قوانین میراث) کے متوازن اور منصفانہ ہونے کا صحیح اندازہ کچھ اس وقت ہو سکتا ہے جب اس کا دوسرے مذاہب اور ممالک کے، نیز زمانہ جاہلیت میں رائج۔ نظامہائے ترکہ سے موازنہ کیا جائے۔

زمانۂ جاہلیت | عرب کے اندر زمانۂ جاہلیت میں ترکہ پانے کا اصل سبب- یا یوں کہہ لیجئے کہ استحقاق ترکہ کا بنیادی اصول۔ رجلیت اور قوت تھا، اس لئے عورتوں کو مطلقاً — اور ضعفار (بچوں) کو خواہ وہ جنس ذکور رہی سے کیوں نہ ہوں ترکہ کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ بہت سے قابلِ اعتماد اور مستند علمار نے نقل

کیا ہے مثلاً مشہور مفسر قرآن ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (ف ۶۷۱ھ) نے بیان کیا ہے۔

"وکانت الوراثة فی الجاهلیة بالرجولیة والقوة" [1]

جاہلیت کے اس (اصول و) رواج کا پتہ ان روایات سے بھی چلتا ہے جو عام طور پر آیاتِ میراث کا شانِ نزول بتانے کے لئے کتب تفسیر میں ذکر کی گئی ہیں۔ مثلاً تفسیر طبری میں ہے کہ ایک خاتون نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ:-

یا رسول اللہ! توفی زوجی وترکنی وابنته فلم نورث، فقال عم ولدها یا رسول اللہ! لا ترکب فرسا ولا تحمل کلًّا ولا تنکأ عدوًّا [2]

اے اللہ کے رسولؐ! میرے شوہر کا انتقال ہو گیا اس کے بعد میں اس کی بیٹی (وارث) زندہ ہیں لیکن ہمیں ترکہ سے محروم رکھا جا رہا ہے اس پر میت کا بھائی بولا کہ اے اللہ کے رسولؐ یہ عورت (اور اس کی بیٹی) نہ تو گھوڑے پر سوار ہو سکتی ہے اور نہ کسی دشمن کو زک پہنچا سکتی ہے۔

حالانکہ عقل کا تقاضا تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترکہ پانے کے سب سے زیادہ مستحق ضعفاء اور عورتیں ہی ہونی چاہئیں۔ کیونکہ بچے اپنے ضعف اور عورتیں اپنی صنفی نزاکت کی وجہ سے عموماً خود کسبِ معاش کے اہل نہیں ہوتے ایسی صورت میں ان کے لئے مورث جو عموماً سرپرست۔ یعنی اپنی زندگی میں ان ضعیف و نازک ورثہ کے اخراجات کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے — کی وفات کے بعد اس کے ترکہ میں سے کچھ پانے کا استحقاق چھین لئے جانے کے سبب بسا اوقات ضروریاتِ زندگی تک محروم ہو جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں بھوک اور پیاس سے تڑپ کر ہلاک ہو جانے کے خطرہ سے دوچار ہو جانے کے سوا اور کوئی راہ نہیں رہ جاتی۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن العربی نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

---

[1] تفسیر قرطبی (الجامع الاحکام القرآن ۵/ ۴۶، دار الکاتب العربی للطباعة والنشر، ۱۳۸۷ھ) اور احکام القرآن للامام ابی بکر الجصاص ۲/ ۲۵ میں ہے فاما ما ینتج بالنسب فلم یکونوا یورثون الصغار ولا الاناث وانما یورثون من قاتل علی الفرس وحاز الغنیمة (مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)

[2] تفسیر طبری ۴/ ۲۶۲ مطبوعہ مصطفیٰ البابی والحلبی واولادہ، بمصر تالیف امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری (ف ۳۱۰

ان الورثة الصغار الضعفاء كانوا احق بالمال من القوى، فعكسوا الحكم و ابطلوا الحكمة

کمزور کم عمر ورثۃ تو قوی وارثوں کے مقابلہ میں مال کے اور زیادہ مستحق ہوتے ہیں لیکن انہوں نے (جاہلیت کے زمانہ میں) معاملہ کو بالکل الٹ دیا اور حکمت کو نظر انداز کیا جس کے نتیجہ میں وہ گمراہ ہوئے اور خواہش نفس کا شکار بنے۔

یہودی مذہب | یہودیوں کے یہاں اصلاً تو خداوندی قوانین۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ دیئے گئے تھے پر ترکہ کے احکام مبنی ہونے چاہئے تھے لیکن تحریف کے بعد اس کی اب جو شکل ہے اس میں بنیادی طور پر مرد ہونا ہی ترکہ کا استحقاق پیدا کرتا ہے۔ عورتیں عموماً محروم رہتی ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد یوسف نے اپنی گراں قدر تالیف "التركة والميراث في الاسلام" میں یہودی اصولِ وراثت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

وعماد الاسرة عندهم هو الرجل بصفة عامة ولهذا لاحظ فى شريعتهم للمرأة من الميراث سواء كانت اما او زوجة او بنتا او اختا للمتوفى[1]

عام طور پر کنبہ میں بنیادی حیثیت اور سربراہی مرد کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی شریعت میں عورت کا میراث میں کوئی حق نہیں ہوتا خواہ عورت ماں ہو، بیوی ہو، بہن ہو یا بیٹی ہو (مرنے والے کی)

اس بارے میں ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ شوہر تو اپنی بیوی کا ترکہ پاتا ہے لیکن بیوی اپنے شوہر کے ترکہ سے محروم ہی رہتی ہے۔

مزید یہ کہ بڑا لڑکا چھوٹے لڑکوں کے مقابلے میں اپنے باپ کے ترکہ میں دوہرا استحقاق رکھتا ہے۔[2] حالانکہ پہلے یا بعد میں پیدا ہونا محض قدرتی اور غیر اختیاری چیز ہے لیکن یہ بھی ان کے یہاں بڑے کو چھوٹے پر امتیاز بخش دیتی ہے۔ اگر پہلے یا بعد میں پیدا ہونے پر کسی امتیاز کی گنجائش ہوتی تو برعکس شکل میں ہونے چاہئے تھی۔ یعنی چھوٹا ـ شفقت کا زیادہ استحقاق رکھنے کی بنا پر زیادہ مقدار کا حقدار ہونا چاہئے تھا۔

رومن لاء | رومن لاء کے "مبنی بر انصاف" ہونے کی مغربی ملکوں میں دھوم مچی ہوئی ہے اسی بنا پر مدتوں تک تقریباً سارے مغرب کا وہ سرکاری قانون بھی رہا ہے۔ اور کچھ حصے اب تک رائج ہیں۔ اور جیسے ساری دنیا کا معتدل قانون قرار دینے کی صدا اس قوت سے لگائی گئی کہ اس کی گونج مشرق بعید تک اتنی زور سے پہنچی یا

---

[1] التركة والميراث فی الاسلام ص ۳۰۴ مطبعة المعرفة [2] ایضاً

دے پہنچائی گئی) کہ اچھے اچھے اسے واقعی حقیقت باور کرنے لگے۔ اسی "مبنی بر انصاف" لا میں شادی شدہ لڑکیاں اپنے باپ کے ترکے سے محروم قرار دی گئیں۔ عورتوں کی محرومی اسی پر ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس "منصفانہ" قانون میں ایک "انصاف" عورتوں کے ساتھ یہ کیا گیا کہ (کنبہ کے سربراہ) مرد کو یہ حق بھی دے دیا گیا ہے کہ وہ اپنے کنبے کے افراد کو (جن میں عورتیں شامل ہیں) فروخت تک کر سکتا ہے بلکہ ان کی موت وحیات کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے اور انہیں ترکہ سے محروم بھی رکھ سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کنبہ کے بقیہ افراد کی حیثیت غلاموں بلکہ جانوروں جیسی ہوتی ہے) چنانچہ بیوی اپنے شوہر کے ترکہ سے محروم رکھی جاتی ہے[1]

مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ لڑکا، چاہے نکاحی عورت سے پیدا ہو یا بدکاری کے نتیجہ میں، دونوں شکلوں میں وارث بنتا ہے۔[2]

ہندوستان | اصلی ہندو قانونِ وراثت میں نہ صرف عورتیں ترکہ سے محروم ہوتی ہیں بلکہ بڑے لڑکے کے علاوہ بقیہ سب لڑکے بھی محروم رہتے ہیں۔ جیساکہ "منوسمرتی" میں ہے۔ "ماں باپ کی تمام دولت کو بڑا بیٹا ہی لیوے"[3] عجیب بات ہے کہ یہی قانون آج تک انگلینڈ میں بھی رائج ہے

اسلام کا نظام وراثت | ان چند غیر اسلامی اصول وقوانین کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد آئیے خالق حقیقی کے عطا کردہ نظام وراثت کی طرف، اور اس کا بغائر نظر مطالعہ کرنے کے بعد سوچیے کہ حقیقی انصاف و توازن اس میں ہے یا ان میں؟ اسلامی نظام وراثت کی بنیاد (جیساکہ امام غزالی نے لکھا ہے نسب[4] اور سبب پر ہے۔ چنانچہ اس نظام کے اندر کسی حال میں بھی[5] ماں، بیٹی، بیوی کو ترکہ سے محروم نہیں کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی صورتوں میں پوتی، دادی، نانی، بہن (کی تینوں قسمیں حقیقی علاتی، اخیافی (بلکہ بعض صورتوں میں پھوپھی اور نواسی بھی ترکہ پانے کا استحقاق رکھتی ہیں۔ اور پھر یہ کہ عمر میں کم یا زیادہ ہونے سے ترکہ کی مقدار میں کوئی فرق نہیں کیا

---

[1] الترکۃ والمیراث فی الاسلام صہ ۵۴ تا ۵۲ [2] ایضاً صہ ۵۸ [3] منوسمرتی (اردو ترجمہ صہ ۱۸۱۔ تارا چند پبلشر تاجر کتب لوہاری دروازہ لاہور [4] نسب سے مراد خونی رشتہ یعنی "قرابت" ہے چنانچہ جو جتنا زیادہ مورث سے قریبی رشتہ رکھتا ہے اتنا ہی ترکہ پانے میں مقدم رہتا ہے۔ اور سبب سے مراد شادی بیاہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا زوجین کے درمیان تعلق ہے۔ اسی بنا پر بیوی سے شوہر کو اور شوہر سے بیوی کو ترکہ پانے کا حق ملتا ہے۔ سبب کے اندر اور بھی بعض امور داخل ہیں۔ یہاں اختصاراً مزید تفصیل نہیں دی جا رہی ہے اس کے لئے دیکھئے امام غزالی کی کتاب "الوجیز" ج ۲ صہ ۲۹ مطبعۃ الادب والمؤید ۱۳۱۷ھ نیز دیگر کتب فرائض [5] اس سے دو حالتیں (رق اور کفر) مستثنیٰ ہیں۔ یہ حالتیں مرد کو بھی ترکہ سے محروم کر دیتی ہیں۔

جاتا جس مقدار کا مستحق بڑا لڑکا ہوتا ہے اسی کا چھوٹا لڑکا بھی۔ کیونکہ جب سبب میں دونوں برابر ہیں تو قدر کے فرق کو غیر منصفانہ بھی کہا جاسکے گا۔ بلکہ دیکھا جائے تو جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے۔ چھوٹا ـــ چونکہ شفقت کا زیادہ حق ہوتا ہے اسی لئے اگر تفاوت روا رکھا گیا ہوتا تو چھوٹے کا ترکہ زیادہ ہوتا بہ نسبت بڑے کے۔

ایک سطحی اعتراض اسلامی وراثت پر بعض نادان (یا معاندین) ایک سطحی اعتراض یہ کرتے ہیں کہ اسلامی قانون وراثت میں عورتوں کو مردوں سے آدھا ترکہ ملتا ہے۔ اور یہ بات مرد و عورت کی مساوات کے خلاف ہے راقم نے مساوات مرد و زن پر نیز خاص اس مسئلہ پر اپنی کتاب "معاشرتی مسائل" میں سیر حاصل بحث کی ہے تفصیل کے طالب اسے دیکھیں، یہاں اسی سے بعض اقتباسات (معمولی تغیر کے ساتھ) پیش کئے جا رہے ہیں۔

اس اعتراض کا اصل سبب اسلامی قوانین کے تمام پہلوؤں کا معترضین کے سامنے نہ ہونا ہے۔ ورنہ انہیں معلوم ہونا چاہئے تھا کہ عورت کو ترکہ کی جو مقدار بھی مل رہی ہے۔ وہ شاید کبھی کسی اتفاقی اور ہنگامی ضرورت میں کام آتی ہو تو جاتی ہو۔ ورنہ اکثر رکھی ہی رہ جاتی اور "بنک بیلنس" بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ اس لئے یہ سمجھنا غالباً بے جا نہ ہوگا۔ کہ شریعت نے ترکہ میں عورت کا حصہ مقرر کرکے دراصل دلجوئی اور قدر افزائی فرمائی ہے اور معاشرہ میں اس کا مقام بلند کیا ہے۔ ورنہ شرعی قوانین پر مکمل طور سے عمل کئے جانے کی صورت میں عورت کے سامنے کوئی بھی مرحلہ بعض استثنائی اور مجبوری کی حالتوں کو چھوڑ کر ایسا نہیں آتا جس میں اسے کسی کے نفقہ کا حتیٰ کہ خود اپنے نفقہ کا بھی۔ شرعاً بار اٹھانا پڑتا ہو۔ اور کیپر یہ امر مستزاد ہے کہ وہ نکاح کرتی ہے تو شوہر سے مہر لینے کا بھی حقدار بنتی ہے۔ اس کے برخلاف مرد کی حالت یہ ہے کہ سن بلوغ اور کسب معاش کی قدرت آنے کے ساتھ ہی نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں (مثلاً بیوی، اور بعض صورتوں میں والدین نیز دیگر اقارب کی ضرورتوں کا پورا کرنا بھی اس کے ذمہ ہو جاتا ہے اور شادی کر لینے کے بعد نہ صرف یہ کہ بیوی کے تمام اخراجات ہی اس کے ذمہ عائد ہو جاتے ہیں بلکہ مہر جو اکثر بڑی رقم ہوتی ہے بھی اس پر لازم ہوتا ہے[2]

شرعی قانون کے ان تمام گوشوں پر نظر ڈالنے کے بعد ـــ عورت کا ترکہ میں مرد سے آدھا حصہ ہونے پر کوئی بھی انصاف پسند اعتراض نہیں کرسکے گا (اسی طرح کے ایک دو مہمل اعتراضات اور کئے جاتے ہیں جن کے جوابات بکثرت دئے جاچکے ہیں خود راقم نے بھی مذکورہ کتاب میں دئے ہیں تفصیل کے طالب اسے دیکھیں)

---

[1] اس فرق کی مزید حکمتیں جاننے کے لئے دیکھئے حجۃ اللہ ج ۲ ص ۸۵ مطبع خیریہ، مصر

[2] معاشرتی مسائل ص ۱۷۹، ۱۸۱ شائع کردہ تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ پوسٹ بکس ۹۳

قانون میراث کی حیثیت یہاں یہ بتانا بھی بے محل نہ ہوگا کہ میراث کا قانون اور اس کے مطابق مستحق ورثہ پر ترکہ تقسیم کرنے کا حکم رضاکارانہ نہیں بلکہ وجوبی اور لازمی ہے۔ جس پر عمل کرنا شریعت کے دیگر لازمی قوانین کی طرح واجب اور ضروری ہے۔ اس کی خلاف ورزی آخرت میں سخت سزا کی موجب ہونے کے علاوہ دنیا میں بھی نقصان رساں ہوتی ہے (ہندوؤں کی نقل میں) مسلمانوں کے اندر بھی لڑکیوں کو غیر معمولی جہیز دینے اور "تلک" کی جو رسم مصیبت بلکہ عذاب بن کر نازل ہو رہی ہے سچ پوچھئے تو وہ بھی ترکہ کے شرعی تقسیم نہ کرنے یعنی لڑکیوں اور بہنوں کو اس سے محروم کرنے کا ایک نتیجہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ زیادتی نیز وبرکت سے محرومی اور اکثر نزاع و جدال (لڑائی جھگڑوں) کا سبب بنتی ہے کسی مستحق کو ترکہ سے محروم رکھنا شرعاً ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی مال کا ناحق غصب کر لینا یا چھین لینا۔ چنانچہ قرآن مجید میں احکام میراث بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

"فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم"

"یہ اللہ کی طرف سے مقررہ کردہ لازمی حکم ہے، اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

ایک سنگین جرم ترکہ کے قانون کی پامالی لیکن کس قدر تعجب بلکہ صدمہ کی بات ہے ان قوانین کو شریعت خداوندی ماننے کا دعویٰ کرنے والے بہت سے افراد بھی ان کی اس طرح خلاف ورزی کرتے گویا انہیں پامال کرتے ہیں کہ نسلیں پہ نسلیں اس جرم میں مبتلا رہتے ہوئے گزر جاتی ہیں۔ مگر ذرہ برابر بھی خدا کا خوف اور آخرت کی باز پرس کے خطرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ مزید حیرت اس پر ہے کہ مجموعی طور پر دیندار اور پابند شرع کہے جانے والے بعض لوگ بھی بلا تکلف اس قانون شرعی کے خلاف عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں بہت سے لوگوں کو شاید اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ کہ ترکہ کے مستحق افراد کو مثلاً بہنوں کا حصہ نہ دے کر ظلم کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں ترکہ کے احکام بیان فرمانے کے بعد متصلاً یہ بھی فرمایا ہے:-

"تلک حدود اللہ ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ اللہ ناراً خالداً فیھا ولہ عذاب مھین"

یہ (احکام میراث بھی) اللہ کی طرف سے مقررہ کردہ حدود ہیں اور جو بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی اور اس کی مقرر کردہ حدود پامال کرے گا اسے اللہ تعالیٰ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے نہایت تکلیف دہ اور اہانت والا عذاب ہے۔

ان آیات پر ایمان حقیقی جسے نصیب ہو وہ یقیناً خلاف ورزی کا تصور کرتے ہوئے کانپے گا اور کسی مستحق میراث کا حق دبانے کی جرأت نہ کر سکے گا۔

قانون میراث کی خلاف ورزی سے اعمال سوخت ہونے کا خطرہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جو عظیم

مفسر ہونے کے ساتھ بڑے محدث بھی ہیں نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد احادیث بھی نقل کی ہیں ان میں ایک یہ ہے جسے ترمذی وغیرہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

ان الرجل لیعمل او المرأة بطاعة الله ستین سنة ثم یحضرهما الموت فیضاران فی الوصیة فتجب لهما النار۔ رواہ ترمذی و ابن ماجہ[1]	مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مرد یا عورت نے ساٹھ سال تک بھی مسلسل خدا کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزارے ہوں لیکن مرتے وقت (خلاف اصول شرع) کسی کو کچھ دینے کی وصیت کر دی تو (اس کی ساری طاعت و عبادت اکارت ہو جائے گی اور) اسے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

مقام غور بلکہ جائے خوف ہے کہ ساٹھ ستر (ایک روایت میں ستر کا بھی ذکر ہے) سال مسلسل عبادات و اطاعت کرنے والا بھی اگر قانون ترکہ و وصیت کی خلاف ورزی کرے تو اس کے لئے ایسی شدید وعید ہے پھر جب پوری زندگی (یا اس کا بیشتر حصہ) قوانین شریعت توڑتے ہیں گذر گئی۔ جیسا کہ اکثر مسلمانوں کا آج کل حال ہو گیا ہے تو خلاف ورزی پر کتنی سخت سزا ملے گی؟ اس کا اندازہ مشکل نہیں۔

علماء و مصلحین کی ذمہ داری ہمارے معاشرہ میں خاصی مدت سے میراث کے قوانین کی جس بڑے پیمانہ پر خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ سے خواص (مصلحین و علماء) پر خاص طور سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کے خلاف ہر ممکن قدم اٹھائیں، ورنہ خطرہ ہے کہ عمومی قانون شکنی کی بنیاد پر اگر عذاب خداوندی آئے تو یہ "ساکتین" بھی (خاموش رہنے والے) لپیٹ میں آ جائیں (لا قدر اللہ)

قانون ترکہ کی اہمیت قانون میراث کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے تنہا یہ بات کافی ہے کہ قرآن مجید جس میں بالعموم تفصیلی احکام کے بجائے اجمالی احکام اور اصول و قواعد بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے میں ترکہ کے تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں یعنی اکثر ورثہ کے حصے بتا دیئے گئے ہیں اور صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ درمیان میں ایک سے زائد بار وعدہ وعید کا انداز بھی اختیار کیا گیا ہے۔ اور جن ورثہ کے جو حصے مقرر کئے گئے ہیں ان کے حکیمانہ اور منصفانہ ہونے کا بھی ذکر ہے۔

ان اللہ کان علیما حکیما اور آباؤکم و ابناؤکم لا تدرون ایهم اقرب لکم نفعا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۱ مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ

الخ)

وغیرہ میں یہی بات کہی گئی ہے) علاوہ ازیں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں علم الفرائض ۔ کہ جس سے میراث
کے تفصیلی احکام معلوم ہوتے ہیں کو "نصف العلم" کہا گیا ہے اور اس کے سیکھنے سکھانے کی تاکید کی گئی ہے
الفاظ حدیث یہ ہیں :-

تعلموا الفرائض وعلموا الناس ۔ فانہ نصف العلم [1]
علم فرائض سیکھو اور سکھاؤ ۔ کیونکہ یہ نصف علم ہے ۔

اسے "نصف علم" کہنے کی ایک وجہ ابن کثیر نے یہ بتائی ہے کہ سب لوگوں کو اس سے سابقہ پڑتا ہے[2]
اس علم کی اہمیت کا ہی یہ اثر ہے کہ ہر دور کے ممتاز علماء نے اس کی طرف توجہ دی اور اس موضوع پر کتابیں
لکھیں (ان سب کی اصل تعداد اللہ عالم الغیب کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا)
چنانچہ اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھنے کا ذکر دوسری صدی ہجری سے ہی ملنے لگتا ہے ۔ صاحب
کشف الظنون کی تصریح کے مطابق "ابو بکر ایوب استخیانی البصری التابعی (ف ۱۳۱ھ) نے فرائض ایوب
البصری ، کے نام سے کتاب لکھی اور امام ابو حنیفہ کے معاصرین میں ابن ابی لیلیٰ و ابن شبرمہ نے بھی فرائض پر
کتابیں لکھیں ۔ اس کے بعد اس فن پر سب سے زیادہ مبسوط کتاب محمد بن النصر مروزی کی وجود میں آئی اس کے بارے
میں ابن السبکی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ :

ھو کتاب جلیل القدر لا مزید علی حسنہ (کشف الظنون)

اس کے علاوہ بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئیں جن میں یوسف بن عبد اللہ القرطبی (ف ۴۶۳ھ) کی
فرائض ابن عبد البر ، بشر بن احمد بن علی بن حمد الحاسب الشافعی (ف ۵۸۹ھ) کی فرائض ابی الرشید ،
ابو الرجاء مختار بن محمود الحنفی (ف ۶۵۸ھ) کی فرائض الزاہدی مشہور کتابیں ہیں ۔ لیکن ان سب میں سراج الدین
محمد بن محمود بن عبد الرشید السجاوندی الحنفی (ف ۹) کی کتاب "الفرائض السراجیہ" (معروف بہ سراجی) کو جو
شہرت و قبولیت حاصل ہوئی (اور جس میں اب تک کمی نظر نہیں آتی) وہ کسی اور کتاب کا حصہ نہ بن سکی اس کی
شہرت و قبولیت کی ہی ایک علامت یہ ہے کہ اس کے شروح و حواشی اتنی کثرت سے لکھے گئے کہ جن
کی نظیر نہیں ملتی ۔
حاجی خلیفہ کے مندرجہ ذیل الفاظ ہیں :-

---

[1] کشف الخفاء و مزیل الالباس ج ا ص ۳۰۸ بحوالہ ابن ماجہ دارقطنی ، حاکم ، نسائی ، دارمی وغیرہا (اگرچہ اس کی سند پر بعض
اصحاب فن نے کچھ کلام کیا ہے ۔ [2] ابن کثیر ج ۔ ص ۴۵۰ (لانہ یبتلی بہ الناس کلہم)

واشتغل بشرحہا جم غفیر من العلماء

اس کے بعد موصوف نے سراجی، کی بیس سے زیادہ مستقل شرحوں کا تذکرہ کیا ہے اور کچھ حواشی کا جو ان کے علاوہ ہے جن کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے (ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء) اور آج بھی بحمد اللہ اسی موضوع پر چھوٹی بڑی کتابیں برابر لکھی جا رہی ہیں۔ اللھم زد فزد۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔

آخر میں مختصراً یہ عرض کرنا ہے کہ اس مضمون کا اصل مقصد ترکہ کی تقسیم کے متعلق اسلامی احکام کی اہمیت کی طرف عام مسلمانوں کی توجہ مبذول کرنا ہے تاکہ ہر گھر میں اس کی فکر ہو۔ اور ہر گھر میں غیر اسلامی رسم و رواج کو مٹانے اور اپنے معاشرہ کو غیر اسلامی عناصر سے پاک کرنے کی جو مہم شروع کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس میں ترکہ کی تقسیم کے سلسلہ میں اس جاہلانہ رواج کو مٹانے کی کوشش کا بھی کماحقہ حصہ ہو۔ ساتھ ہی اس مضمون میں حضرات علماء و مصلحین اور معروف کی اشاعت اور منکر کی تغییر کے عظیم فریضہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ وہ زندگی کے اس اہم شعبہ کو بھی اپنی اصلاحی محنتوں کا نشانہ بنائیں۔

واللہ الموفق وھو الھادی الی سواء السبیل۔

جناب ڈاکٹر محمد مصطفےٰ اعظمی ۔ ریاض

تحقیق و استخراج حدیث اور کمپیوٹرائزڈ نظام کا ایک جامع منصوبہ

جناب ڈاکٹر محمد مصطفےٰ اعظمی صاحب فاضل دیوبند، ایک ہندوستانی عالم، بلند پایہ محقق اور عظیم محدث ہیں۔ ۱۳۹۳ھ سے موصوف ریاض یونیورسٹی میں بحیثیت حدیث کے پروفیسر کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دس بارہ سال سے صحاح ستہؒ کی احادیث کو کمپیوٹر پر منتقل کرنے کی مساعی جمیلہ میں مصروف ہیں جس کی تکمیل پر ایک لاکھ بیس ہزار احادیث میں سے مطلوبہ حدیث چند سیکنڈ میں تلاش کی جاسکے گی۔ انہیں ۱۴۰۰ھ میں اس عظیم الشان تاریخی و تحقیقی کارنامے پر شاہ فیصل ایوارڈ بھی ملا۔ انہوں نے اپنے زیر تدوین کام کی وضاحت اور طریق کار کی تفصیلات کے سلسلہ میں ایک عربی روزنامے کو انٹرویو دیا ہے۔ ذیل میں اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

(عبد القیوم حقانی)

ڈاکٹر محمد مصطفےٰ اعظمی شاہ سعود یونیورسٹی ریاض میں حدیث نبویؐ کے پروفیسر ہیں اور حدیث کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ان کی تمام تر توجہات کمپیوٹر کو خدمت حدیث کے لئے استعمال کرنے پر مرکوز ہیں وہ اپنی کوششوں میں الحمد للہ کافی حد تک کامیاب ہوچکے ہیں۔ ان کی پہلی عظیم القدر کامیابی سنن ابن ماجہ کا جدید ایڈیشن شائع کرنا ہے جس میں کئی تفصیلی فہرستیں دی گئی ہیں۔ چنانچہ ایک فہرست کتاب میں مستعمل تمام الفاظ و کلمات پر مشتمل ہے۔ ایک انڈکس مقامات کے متعلق ہے۔ ایک فہرست میں کتاب میں وارد ہونے والے تمام اسماء آگئے ہیں۔

حدیث نبویؐ میں کمپیوٹر کے استعمال کے سلسلہ میں اگرچہ بعض دیگر حضرات نے بھی بہت سے منصوبے بنائے ہیں تاہم پروفیسر ڈاکٹر محمد مصطفےٰ اعظمی صاحب کو اس میدان میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔

حدیث نبویؐ کے لئے کمپیوٹر کے استعمال کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا۔

کمپیوٹر پر اس کی مخصوص تکنیک کے مطابق ہی کام کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ میں نے بھی اس سلسلہ میں اپنے کام کی نوعیت کو کمپیوٹر سسٹم کے لحاظ سے ہی محدود کیا ہے۔ میں جس منصوبے پر کام کر رہا ہوں اس سے انشاءاللہ مندرجہ ذیل حضرات کی ضروریات پوری ہوں گی۔ محدثین، فقہا، محققین اور عام تعلیم یافتہ حضرات۔

محدثین کی ضروریات | اس مختصر جواب کی مزید وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ کہ جہاں تک محدثین کا تعلق ہے تو میرے خیال میں عام طور پر ان کو مندرجہ ذیل معلومات کی ضرورت پڑتی ہے۔

۱۔ متعلقہ حدیث کو کس محدث نے بیان کیا ہے؟
۲۔ اس میں اور کون کون سے محدثین اس کے ساتھ ہیں؟
۳۔ اس حدیث کے شواہد کیا ہیں؟
۴۔ کیا اس حدیث میں کوئی ایسا عیب (علت) ہے جس کی وجہ سے حدیث عیب دار ہو جاتی ہے۔
۵۔ آیا خود حدیث کے متن میں تو کوئی شاذ بات نہیں ہے۔
۶۔ اسناد میں مذکور راویوں کا ثقہ یا مجروح ہونے کے لحاظ سے کیا مقام ہے۔
۷۔ احادیث پر تنقید کے اصولوں کی روشنی میں متعلقہ حدیث کا کیا حکم ہے؟
۸۔ آیا کسی امام نے اس حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے پر گفتگو کی ہے؟

ان تمام سوالات کے جواب تین بنیادی نکات پر موقوف ہیں۔

۱۔ متعلقہ حدیث اور اس سے ملتی جلتی تمام احادیث اور ان کے شواہد کا علم ہو اور یہ حتمی طور پر معلوم ہو کہ وہ کن کن مقامات پر ہیں۔
۲۔ اسانید میں مذکور ہر راوی کے بارے میں جو کچھ ائمہ جرح وتعدیل نے بحث کی ہے اس کا علم ہو۔
۳۔ محدثین کرام نے اس حدیث پر کیا حکم لگایا ہے۔ اس کی معرفت۔

فقہا اور محققین کی ضروریات | ۱۔ ایک خاص موضوع کے متعلق تمام احادیث تک دسترس۔
۲۔ ان احادیث کے مرتبہ اور درجہ کا علم۔
۳۔ فقہی احکام و مسائل کے استنباط کی غرض سے متقدمین فقہا اور محققین نے اس حدیث کو کس طرح سمجھا۔

لہٰذا محدث کی ضروریات کے علاوہ فقیہہ اور محقق کی ضروریات کے پیش نظر ضروری ہے کہ ہم اس حدیث کی تشریح و تفصیل سے واقف ہوں۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو کہ ائمہ کرام نے اس حدیث سے کن احکام کا استنباط کیا ہے۔

مندرجہ بالا اغراض و مقاصد کی روشنی میں میں نے اپنے منصوبہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پہلے حصہ کا تعلق تمام احادیث سے ہے ان کے حوالے اور ان کی متابعات اور شواہد سب ایک انسائیکلوپیڈیا

میں جمع ہوں اور ان کی درجہ بندی بھی کر دی گئی ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک حدیث کے متعلق یہ بتایا جائے کہ سابقہ (متقدمین) محدثین نے اس حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کے بارے میں کیا کہا ہے؟ نیز یہ بھی ذکر ہو کہ صحابہ، تابعین تبع تابعین اور ائمہ کرام نے اس حدیث کو کیسے سمجھا ہے؟ ان تمام حضرات کے تفقہ اور تدبر کو یکجا کر دیا جائے

۲۔ دوسرے حصہ میں تمام راویوں کے حالات بیان ہوں تاکہ اسناد کے متعلق فیصلہ کرنے میں سہولت رہے۔

لہٰذا یہ منصوبہ دو بڑی قسموں پر مشتمل ہوگا۔

ا۔ احادیث کا انسائیکلوپیڈیا۔

ب۔ رجال (اشخاص) کا انسائیکلوپیڈیا۔

میں موخر الذکر یعنی رجال کے انسائیکلوپیڈیا سے بات شروع کرتا ہوں۔ یہ تو واضح ہے کہ اس دائرۃ المعارف کا مواد، راویوں کے حالات زندگی اور جرح و تعدیل کی کتابوں پر مشتمل ہے۔ جہاں تک حالاتِ زندگی کی کتابوں کا تعلق ہے ان میں سے کچھ تو چھپ چکی ہیں جیسے ۱۔ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۔ ۲۔ طبقات خلیفۃ بن خیاط ۔ ۳۔ التاریخ والعلل لاحمد بن حنبل ۔ ۴۔ تاریخ الکبیر للبخاری ۔ ۵۔ الجرح والتعدیل للرازی ۔ ۶۔ الثقات لابن حبان ۔ ۷۔ تاریخ بغداد للخطیب بغدادی ۔ ۸۔ تہذیب التہذیب لابن حجر ۔ ۹۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱۰۔ میزان الاعتدال للذہبی اور ان کے علاوہ چند مزید کتابیں۔

اسی طرح جو کتابیں ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں وہ بھی بہت سی ہیں لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جس قدر بھی ہو سکے غیر مطبوعہ اہم کتب تراجم کو طبع کرایا جائے۔ پھر ان تمام منتشر معلومات کو اکٹھا کر کے ہر راوی کے الگ الگ حالاتِ زندگی قلم بند کئے جائیں۔ میں اس کی وضاحت میں عرض کروں گا کہ مثلاً ہر ایک راوی المزی کو لیتے ہیں۔ جب ہم ان کے حالاتِ زندگی جاننے کے لئے مختلف کتب اسماء الرجال کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ایک کتاب میں ہمیں ان کے کچھ شاگردوں کا ذکر ملتا ہے۔ دوسری کتاب میں ان شاگردوں کا تو کوئی تذکرہ نہیں البتہ ان کے علاوہ کچھ اور شاگردوں کا پتہ چلتا ہے پھر ہم ہر کتاب میں راوی کے بارے میں ائمہ اعلام کے ریمارکس کی تکرار پاتے ہیں جن کے ساتھ کچھ نئی معلومات بھی مل جاتی ہیں۔ لہٰذا مناسب یہ ہوگا کہ ہر راوی کا تذکرہ یکجا کیا جائے جو اس کے متعلق جملہ معلومات کو محیط ہو۔ بہرکیف یہ موضوع میرے پروگرام میں شامل نہیں ہے۔ البتہ مجھے پتہ چلا ہے کہ اردن یونیورسٹی میں یہ منصوبہ زیر غور ہے۔

احادیث کا انسائیکلوپیڈیا | بدقسمتی سے اب تک حدیث کی تمام کتابیں طبع نہیں ہو سکیں۔ پھر ان میں سے جو چھپ چکی ہیں ان پر بہت کم علمی تحقیق ہوئی ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ تمام احادیث کو ایک انسائیکلوپیڈیا میں اکٹھا کر دیں تو ہمیں حدیث کی تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کو یکجا کرنا ہوگا پھر ہمیں ان کی سائنٹیفک تحقیق

کرنا ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک طویل المیعاد کام ہے لہٰذا میں نے اپنے منصوبہ کو دو انسائیکلوپیڈیوں میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ احادیث کا مختصر انسائیکلوپیڈیا۔

ب۔ احادیث کا مفصل انسائیکلوپیڈیا (جس میں پہلی تین صدیوں کی فقہ بھی ہوگی)

میرے پروگرام کے مطابق احادیث کے مختصر دائرۃ المعارف میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہوں گی۔

ا۔صحیح بخاری ۲۔ صحیح مسلم ۳۔سنن النسائی ۴۔ سنن ابی داؤد ۵۔ سنن الترمذی ۶۔ سنن ابن ماجہ ۷۔ مسند ابن حنبل ۸۔ موطا امام مالک ۹۔ سنن الدارمی ۱۰۔ اتحاف السادہ للبوصیری ۱۱۔ المعجم الکبیر للطبرانی۔

جہاں تک مفصل دائرۃ المعارف پر ہی دو تین سال لگ جائیں گے۔

اب تک کی کارروائی اب میں مختصراً اس کام کا کچھ تذکرہ کرنا چاہوں گا جو بتوفیق الٰہی میں نے سرانجام دیا ہے نیز مستقبل قریب کے پروگرام سے بھی میں آگاہ کرنا چاہوں گا میرا اصل ہدف تو وہی ہے جس کا میں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے۔ اور مجھے انشاءاللہ اس تک پہنچنا ہے۔

میں نے اس کار خیر کا آغاز ۱۳۹۷ھ میں کیا تھا۔ شروع میں اس مقصد کے لئے کچھ مشینری خریدی جس کی تشکیل عربی کی بنیاد پر کی گئی تھی۔ سب سے پہلے میں نے مسند امام احمد بن حنبل کو کمپیوٹر میں داخل کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سلسلہ میں سب سے اہم بات کمپیوٹر میں متن کا بھرنا ہوتا ہے۔ اور میرا عزم یہ تھا کہ اب جب کہ میری ہمت جوان اور قوی مضبوط ہیں۔ اپنے منصوبہ کا آغاز ایک بڑی کتاب سے کروں۔ قبل اس کے کہ میں بڑھاپے کی عمر تک پہنچوں اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ مسند امام احمد کو کمپیوٹر میں داخل کرنے کے دوران ہم کچھ سادہ سے تجربے کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

میں نے رمضان ۱۳۹۹ھ میں شاہ فیصل ایوارڈ کمیٹی کو ٹائپ رائٹر پر لکھی گئی ایک کتاب پیش کی جس میں اس پراجیکٹ کی تفصیلات درج تھیں اور کمپیوٹر کی مدد سے جو عملی کامیابیاں ہوئی تھیں ان کے کچھ نمونے تھے یہ کتاب میں نے اس کے علاوہ مختلف جگہوں پر بھیجی اور ماہرین سے گذارش کی کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی رائے اور مشورہ سے آگاہ کریں۔ ۱۴۰۰ھ میں مجھے شاہ فیصل ایوارڈ عطا کیا گیا۔ ایوارڈ کے ساتھ دئے گئے ڈپلومہ میں میری خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:۔

" کمپیوٹر کو سنت نبویؐ کی خدمت میں استعمال کرنے کا منصوبہ عربی زبان میں پہلا عملی تجربہ ہے۔ حدیث کی تعلیمات میں کمپیوٹر کا استعمال ایک مستحسن قدم ہے۔ یہ ایک وسیع عمل ہے جس کی تکمیل میں بہت سا وقت اور محنت درکار ہوگی۔ بلاشبہ جب یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا تو یہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔ اس سے احادیث کے انسائیکلوپیڈیا کی تکمیل میں مدد ملے گی۔ احادیث کا انسائیکلوپیڈیا تیار کرنا ایک بہت نمایاں

ارنامہ ہے اور جس کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔"

بہرکیف ہم نے ۱۴۰۰ھ میں مکمل مسند امام احمد کمپیوٹر میں داخل کر دی۔ یہ کام ۱۴۰۳ھ میں مکمل ہوا۔ میں اس وقت امریکہ میں تھا گذشتہ برسوں میں ہم نے متن اور کمپیوٹر کے لئے لکھائی کے پروگرام انڈکس کمپیوٹر میں ڈالے ہیں۔ اسی دوران ہم نے کچھ تجربے بھی کئے۔ انڈکسوں کا زیادہ تر کام امریکہ میں کیا گیا ہے۔

مطبوعہ کتب حدیث کا قلمی نسخوں سے موازنہ

میں عام طور پر سوچا کرتا تھا کہ ہمارے ہاں جتنی بھی احادیث کی متداول کتابیں ملتی ہیں ان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس قلمی نسخہ سے لے کر طبع کی گئی ہیں؟ نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے محققین اور ناشرین نے انہیں کس مخطوطہ سے لیا ہے؟ دوسری طرف یہ کتابیں بار بار چھپ رہی ہیں مگر ان میں احادیث پر نمبر شمار نہیں لگائے جا رہے۔ چنانچہ میں نے محرم ۱۴۰۰ھ میں قطر میں منعقدہ سیرت وسنت کانفرنس میں تجویز پیش کی۔ کہ کتب احادیث کی تحقیق و تفتیش کی جائے اور اس تحقیق میں عالم اسلام میں موجود بہترین مخطوطوں پر انحصار کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ احادیث پر نمبر لگانے کا الگ مکمل نظام وضع کیا جائے اور متون کو کمپیوٹر میں داخل کرنے سے پہلے پہلے اس کام کو پورا کرنا ضروری ہے مگر ایک فاضل مندوب نے میری اس تجویز کو نہایت مشکل اور ناقابل عمل قرار دیا اور کہا کہ بیک وقت دو مشکل کاموں کو شروع کرنے کی یہ تجویز سراسر غیر مناسب ہے۔

جب میں نے مسند امام احمد اور صحاح ستہ کو کمپیوٹر میں داخل کرنے کا کام مکمل کر لیا جو تقریباً بیس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں تو میں نے ان تمام صفحات میں کمپیوٹر سے ہونے والی اغلاط کی تصحیح کی ذمہ داری سنبھالی اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ میں مطبوعہ مواد کا بہترین مخطوطوں سے موازنہ کروں۔ اس مقصد کے لیے صحاح ستہ اور مسند امام احمد کے مخطوطوں کا مطالعہ کرنا ضروری تھا تاکہ ان میں سے بہترین کا انتخاب کیا جا سکے۔ اس کے بعد ان قلمی نسخوں کو فوٹو حاصل کرنے کا مرحلہ درپیش تھا۔ میں نے مائیکروفلم حاصل کرنے کی غرض سے کئی بار بیرونی ممالک کا سفر کیا۔ اس میں مجھے جو جانکاہ مشقتیں اٹھانی پڑیں وہ تو میں نے اٹھائیں ہی مگر للہ الحمد کہ میرے پاس مسند اور صحاح ستہ کی مائیکروفلموں کا ایک مجموعہ جمع ہو گیا۔ جن مخطوطوں کی فلمیں اتاری گئی ہیں ان میں سے زیادہ تر کا تعلق پانچویں اور چھٹی صدی ہجری سے ہے۔ اور نہایت لطف کی بات یہ ہے کہ ایک طویل عرصہ بیت جانے کے باوجود ان مخطوطوں پر مشاہیر محدثین کرام کے دستخط تک موجود ہیں۔ جیسے الصیرفی۔ ابن سعادہ، ابن الجوزی۔ ابن قدامہ۔ المقدسی، المزی، الذہبی ابن البرازلی وغیرہ (رحمہم اللہ اجمعین)

اب تک مکمل شدہ موازنہ

الحمد للہ کہ سنن ابن ماجہ اور ترمذی شریف پر نظر ثانی کا کام مکمل ہو چکا ہے نیز ان دونوں کتابوں کے کمپیوٹر میں موجود متن کی تصحیح بھی ہو چکی ہے۔ سنن ابن ماجہ تو اس سے پہلے ہی چھپ چکی ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن تصحیح کے بعد پریس میں جا چکا ہے۔ اسی طرح سنن ترمذی زیر طبع ہے اور میرا اندازہ

ہے کہ یہ کتاب آٹھ ضخیم جلدوں میں چھپے گی۔ اس میں وہ فہرستیں بھی ہوں گی جن میں سنن ابن ماجہ میں موقع و محل نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد پر بھی نظر ثانی مکمل ہو چکی ہے۔ لیکن کمپیوٹر میں ان کی غلطیوں کی تصحیح ہونا ابھی باقی ہے۔ دوسری کتابوں پر بھی ہم جلد ہی نظر ثانی کریں گے۔ اور پھر انشاء اللہ ان کی تصحیح کریں گے۔ تصحیح کے بعد کتاب، طباعت کے لئے تیار ہو گی۔ اور پھر آخر میں کمپیوٹر سے ان تمام کتابوں کی فوٹو لی جائے گی جس پر صرف چند دن لگیں گے۔

امید ہے کہ صحاح ستہ پر نظر ثانی اور ان کی جانچ پڑتال ۱۴۰۵ھ میں مکمل ہو جائے گی۔ پھر میں مسند امام احمد بن حنبل پر نظر ثانی کا کام کروں گا جس پر ایک سال سے زیادہ مدت لگ جائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ نئے متون کو کمپیوٹر میں داخل کرنے کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اس سلسلہ میں ہم نے دو بڑی کتابوں پر کام شروع کر دیا ہے۔

۱۔ اتحاف السادۃ فی زوائد العشرہ۔ مؤلفہ امام بوصیری جو آٹھ جلدوں میں ہے۔

۲۔ طبرانی کی المعجم الکبیر جو ۲۰ سے زیادہ جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس تمام عمل سے مسند امام احمد کی تیاری اور تحقیق میں بہت مدد ملے گی۔ میرے اندازہ کے مطابق مسند امام احمد اور اس کی فہرستیں اپنی نئی ترتیب میں چالیس سے پچاس جلدوں تک ہوں گی۔ مسند امام احمد پر اعراب لگانے کے سلسلہ میں کنانہ کے چند بڑے نحویوں کے ساتھ خط و کتابت ہو رہی ہے۔ اگر اس میں ہمیں کامیابی ہو گئی تو انشاء اللہ مسند امام احمد اعراب کے ساتھ چھپے گی۔ ظاہر ہے کہ ان تمام خوبیوں سے مزین کرنے کی وجہ سے کتاب کے چھپنے میں تاخیر ہو گی۔ ادھر عالی مرتبت ڈاکٹر منصور التر کی چانسلر شاہ سعود یونیورسٹی نے یونیورسٹی کی تمام قوتوں کو ان کتابوں کی طباعت پر لگا رکھا ہے۔ میں ان کا تہ دل سے شکر گذار ہوں۔

مستقبل کا لائحہ | ۱۔ احادیث نبوی کے تمام الفاظ کی ایک المعجم المفہرس تیار کی جائے گی اور یہ استاد فواد عبد الباقی کی المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم کی طرز پر ہو گی۔ البتہ میرے پیش نظر مفہرس میں اور اس میں کچھ فرق ہوں گے۔ مثلاً، میں معجم مفہرس الفاظ حدیث کو، حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کروں گا۔ اور کلمہ کے مادہ کے حروف کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ہر لفظ کو حروف تہجی کے مطابق ہی جگہ دی جائے گی

۲۔ احادیث کی تخریج کمپیوٹر کے طریقہ کے مطابق کی جائے گی۔ اس پروگرام کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش جاری رہے گی۔

۳۔ اسناد کی معجم جو کئی لحاظ سے ترتیب دی جائے گی۔

۴۔ اسناد کی ایک بڑی معجم کی تیاری۔

۵۔ اسناد کا ایک نقشہ یا چارٹ تیار کرنا۔

۶۔ احادیث کو نقشہ کے مطابق ترتیب۔ یہ کام احادیث کے دائرہ المعارف اور موضوعات کی فہرست کی بنیاد پر ہوگا۔

۷۔ اسمار اور مقامات کی معجم اور اس کی ایک خاص طرز پر ترتیب۔

۸۔ عنوانات کی ایک فہرست کی تیاری۔ اس سے ایک موضوع پر کمپیوٹر میں موجود تمام احادیث کو یک جا کرنا ممکن ہوگا۔

۹۔ افعالِ صحیحہ کو ان کے اصولِ ثلاثی میں تبدیل کرنا۔

۱۰۔ کتبِ احادیث میں موجود تمام مفردات (الفاظ) کے پھیلاؤ کی حدبندی۔

کمپیوٹر میں موجود احادیث کی تصحیح کا کام مکمل ہوتے ہی مذکورہ معمول کا بنانا بہت آسان ہو جائے گا اور ان کی تیاری پر محض چند گھنٹے لگیں گے اس لئے کہ تمام پروگرام پہلے ہی سے تیار ہیں بلکہ متعدد فہرستیں تیار پڑی ہیں اور کئی فہرستیں تو سننِ ابنِ ماجہ کے ساتھ ہی چھپ چکی ہیں۔

جب یہ کام مکمل ہو جائے گا تو اس سے محدث، فقیہہ، محقق اور عام مسلمانوں کے لئے کمپیوٹر میں موجود تمام احادیث تک رسائی آسان ہو جائے گی۔ اور ایک لاکھ بیس ہزار احادیث میں سے مطلوبہ حدیث کی تلاش میں صرف چند سیکنڈ لگیں گے۔

اپنی گفتگو کے اختتام پر ڈاکٹر صاحب نے امیر سلطان بن عبدالعزیز کا بھرپور شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس کام میں ڈاکٹر صاحب کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اور ہر ممکن تعاون پیش کیا ہے۔ اعظمی صاحب نے ڈاکٹر منصور الترکی چانسلر جامعۃ الملک سعود، ڈاکٹر حمود البدر وائس چانسلر یونیورسٹی اور ڈاکٹر عبدالعزیز خویطر وزیرِ تعلیم کا بھی شکریہ ادا کیا۔ ان تمام حضرات نے اعظمی صاحب کی اس مفید کام میں بہت مدد کی ہے۔

اُس کے ماتھے کا پسینہ خشک ہونے بھی نہ پائے
آپ محنت کا صلہ دے دیجئے مزدور کو
کاش ہر آجر کے ہو پیشِ نظر قولِ رسولؐ
حرفِ آخر مان لے دنیا اسی دستور کو
ہو رسولؐ اللہ کا کردار اگر خضرِ حیات
خود ہی آدابِ حیات آجائیں گے جمہور کو
PAKISTAN TOBACCO
PTC
COMPANY LIMITED

جناب کریم الدین صاحب۔ جدّہ

قسط ۳

قرآن حکیم بائبل ——— اور ——— جدید سائنس

مُوسِعُون اسم فاعل مُوسِعٌ کی جمع ہے جس کے معنی صاحب وسعت بھی ہیں اور وسعت دینے والا بھی۔ اگر یہاں آخرالذکر معنی مراد ہو۔ تے تو جس چیز کو وسعت دیتے یا پھیلاتے ہیں مذکور ہوتی اور "اِنا لَہا لَمُوسِعُون" آتا۔ جیسے انّا انزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون میں لہ کی ضمیر لائی گئی ہے۔ چونکہ آیت زیر بحث میں سماء کی لوٹنے والی ضمیر (لہا) استعمال نہیں ہوئی اس لئے یہاں موسعُون کا ترجمہ وسیع القدرت سے کرنا ہی صحیح ہے۔ اور اہلِ مصر کی جدت قابلِ قبول نہیں۔ نیز سیاق وسباق کے اعتبار سے بھی وہ یہاں موزوں معلوم نہیں ہوتی۔

۲۵۔ صفحہ ۲۳، ۲۴۔ "قرآن خلائی تسخیر کے متعلق بھی اشارہ کر رہا ہے۔ آج انسان چاند پہ قدم رکھ کر خلا کو مسخر کر چکا ہے۔ لیکن قرآن کے نزدیک یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ ذرا سورۂ رحمٰن کی مندرجہ ذیل آیت پر غور کریں۔

"اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تم قدرت رکھتے ہو تو آسمان اور زمین کی حدود (دائرہ کشش ثقل) سے نکل جاؤ لیکن تم (خدا کی عطا کی ہوئی) طاقت کے سوا باہر نہیں نکل سکتے۔" تسخیر خلا کے لئے قوت قادرِ مطلق ہی عطا کر سکتا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب تو خیر ایک عیسائی ہیں انہیں قرآن میں اگر ربطِ آیات کا علم نہ ہو تو چنداں تعجب کی بات نہیں کیونکہ انہوں نے غالباً ابھی قرآن کا اس مقصد سے مطالعہ ہی نہیں کیا۔ مگر ہمارے (نو تعلیم یافتہ) بھائیوں کو کیا ہوا کہ وہ قرآن کی عبارت "کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑہ بھان متی نے کنبہ جوڑا" کے مصداق، معاذ اللہ بے ربط سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی آدمی نے خلائی سفر کیا۔ یا چاند پر قدم رکھا انہوں نے ربطِ آیات سے قطعی صرفِ نظر کر کے بڑے زور سے یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا کہ قرآن میں خلائی سفر بلکہ معاذ اللہ خلائی تسخیر کے ممکن ہونے کی چودہ سو سال پہلے ہی خبر دے دی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تو سائنسدان ہوتے ہوئے بھی اتنی احتیاط برتی کہ لفظ سُلطٰن کا ترجمہ "خدا کی عطا کی ہوئی طاقت" کیا۔ لیکن ان بے باک مسلمانوں نے جن میں اکثر سائنس کی ابجد سے بھی واقف نہیں، اس لفظ کا مفہوم سائنس کی طاقت سمجھا۔ اور ذرہ خیال نہ کیا کہ اس مفہوم کے ساتھ آیت ۳۱ تا ۳۵ کی عبارت بالکل بے تکی اور غلط ہو جاتی ہے یعنی اس طرح :-

"اے جن وانس ہم عنقریب تمہارے (حساب کتاب کے) لئے خالی ہوتے جاتے ہیں ۳۱۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ۳۲۔ اے گروہ جن وانس کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان وزمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ (مگر) نکل نہیں سکتے بجز سائنسی طاقت کے۔ ۳۳۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ۳۴۔ تم دونوں پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا۔ پھر تم (اس کو) ہٹا نہ سکو گے۔ ۳۵۔

اس عبارت کا بے تکا پن ظاہر ہی ہے۔ اور غلطی اس میں یہ ہے کہ شعلہ اور دھوئیں سے ان حضرات کے نزدیک خلائی سفر میں پڑنے والی شہاب کی بارش اور گرم طبقہ مراد ہے۔ جن سے خلاباز سائنسی حفاظتی تدابیر کے ذریعہ سلامتی سے گذر جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "تم اسے ہٹا نہ سکو گے"، یعنی اس کے عذاب سے نہ بچ سکو گے۔ معاذ اللہ غلط ٹھہرتا ہے۔ ایسی بے تکی اور غلط بات کو کیونکر "وحی" مانا جا سکتا ہے؟ گویا ان نادانوں نے قرآن میں خلائی سفر کے ممکن ہونے کی خبر ثابت کرنے کی کوشش میں اس کے الہامی ہونے ہی کی نفی کر دی ع

دوستی بے خبر چوں دشمنی ست

ان آیتوں کا صحیح اور مربوط تفسیری ترجمہ یہ ہے:۔

(یہ مضمون جلال واکرام کا بقاء خالق کے متعلق بیان فرما کر آگے پھر فنا خلق کے متعلق ارشاد ہے کہ تم لوگ یہ نہ سمجھنا کہ تمہارا فنا ہونا دائمی ہو گا اور حساب کتاب نہ ہو گا۔ بلکہ ہم تم کو دوبارہ زندہ کریں گے اور حساب کتاب کے بعد جزا سزا دیں گے۔ اسی مضمون کو اس طرح فرماتے ہیں کہ) اے جن وانس ہم عنقریب تمہارے (حساب کتاب کے) لئے خالی ہوتے جاتے ہیں۔ ۳۱۔ (یعنی تم سے حساب کتاب لینے والے ہیں، چونکہ حساب کتاب کی خبر دینا بھی ایک نعمت ہے) سوائے جن وانس (با وجود اس کثرت وعظمت نعم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ۳۲۔ (آگے وقوع حساب کے لازمی ہونے کے سلسلہ میں یہ بتاتے ہیں کہ اس وقت کسی کے بچ کر کہیں بھاگنے کا بھی احتمال نہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ) اے گروہ جن وانسانوں کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو (مگر) بدوں زور کے نہیں نکل سکتے ۔۔۔ (اور زور ہے نہیں، پس نکلنے کا وقوع بھی متحمل نہیں۔ اور جب دنیوی زندگی ۔۔۔ یہ حالت ہے تو قیامت میں تو اور زیادہ عجز ہو گا۔ پس وہ احتمال مرتفع ہو گیا۔ یہ بات بتا دینا بھی موجب ہدایت ہے) سوائے جن وانس! (با وجود اس کثرت وعظمت

نم کے) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ؟ - ۳۴ - (یہ تو حساب کتاب سے بچنے میں عجز کا ذکر تھا -
آگے عذاب سے بچنے میں عجز کا بیان ہے - یعنی اے جن و انس کے مجرمو!) تم دونوں پر (قیامت کے روز) آگ کا شعلہ اور
دھواں چھوڑا جائے گا - پھر تم (اس کو) ہٹا نہ سکو گے - ۳۵ - یہ شعلہ اور دھواں غالباً وہ ہے جس کا ذکر سورہ مرسلٰت
میں ہے - اِنطَلِقُوا اِلیٰ ظِلٍّ ..... اِنَّہَا تَرمِی بِشَرَرٍ کَالقَصرِ اور اس کا بتا دینا بھی بوجہ ذریعہ ہدایت ہونے کے ایک نعمت
عظمیٰ ہے (بیان القرآن)

اسلام کے ان نادان دوستوں نے قرآن سے خلائی سفر کا امکان ثابت کرنے میں ربط آیات میں غور نہ کرنے کے علاوہ
دو "عقلی" غلطیاں بھی کی ہیں ایک تو یہ کہ انہوں نے آسمان اور زمین کی حدود سے باہر نکلنے کا مطلب زمین اور کسی جرم
فلکی (جو ان کے نزدیک ایک آسمان ہے) کے دائرہ کشش ثقل سے باہر نکلنا سمجھا - حالاں کہ قرآن سے جنوں کا آسمانی
خبریں معلوم کرنے کے لئے اس کے قریب تک پہنچنا اور شہاب ثاقب کے ذریعہ فرشتوں کا ان کو مار بھگانا ثابت ہے
گویا وہ بغیر کسی راکٹ وغیرہ کے ہی زمین اور بہت سے اجرام فلکی کی کشش ثقل کے دائروں سے بہت آگے نکل جاتے
تھے یا نکل جاتے ہیں - پھر ان سے یہ کہنا کہ اگر تم قدرت رکھتے ہو تو نکل جاؤ کیا معنی رکھتا ہے ؟ پس زمین و آسمان کی حدود
ممکن نہیں -
سے باہر نکلنے کا مطلب یہاں ساری کائنات سے باہر نکلنا ہے جو کسی طرح بھی ممکن نہیں -

دوسری غلطی ان حضرات نے آیت کے اس جملہ کا مطلب سمجھنے میں کی ، "مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے " اس کا مطلب یہ
نکالا کہ زور ہونے پر نکل سکتے ہیں - حالاں یہ ایک اسلوب بیان ہے کسی چیز کو ناممکن الوقوع ثابت کرنے کا - جیسے قرآن میں آیا
ہے کہ فلاں قسم کے لوگ جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے نہ نکل جائے - ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب
نہیں کہ جب اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے گذر جائے گا تب یہ لوگ جنت میں چلے جائیں گے - بلکہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا جنت میں
داخل ہونا ایسا ہی محال ہے جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذرنا - پس یہاں بھی اللہ تعالیٰ کائنات سے باہر نکل سکنے کو
ایسا ہی ناممکن بتا رہے ہیں جیسا اس کام کی طاقت رکھنے کو - بھلا جب حضرت جبریل سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھنے
کی طاقت نہیں رکھتے (جو کائنات کے اندر ہی ہے) تو پھر کائنات سے باہر نکلنے کی طاقت کس میں ہو سکتی ہے ؟
کاش کہ ڈاکٹر صاحب اور ان سے پہلے جدت پسند مسلمان جن کو ہم اسلام کے نادان دوست کہتے ہیں - تقریر بالا کی
روشنی میں سورہ رحمٰن کی ان آیتوں کا مطلب سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ قرآن پر ظلم کرنے سے باز رہیں -

۲۶ - صفحہ ۲۶، ۲۷، علم طبقات الارض میں حال ہی میں جو اہم چیز دریافت کی گئی ہے وہ ہے " منطقہ الفاف "
کی حقیقت جس سے سلسلہ ہائے کوہ وجود میں آئے - قشر الارض کی بھی یہی کیفیت ہے - جو ایک ٹھوس خول یا پوست
کی طرح ہے جس پر ہم جی سکتے ہیں جب کہ اس کی تہیں گرم اور سیال ہونے کے باعث زندگی کی کسی بھی شکل کے
لئے ناموزوں ہیں -

ڈاکٹر صاحب کی یہ عبارت واضح مفہوم نہیں ہے یعنی اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ "مظہر التفاف" کی وہ کیا حقیقت ہے جو قشر الارض کی بھی کیفیت ہے۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ قشر الارض کی سلوٹیں یا شکنیں ہی جغرافیہ دانوں کے نزدیک پہاڑوں کی شکل میں رونما ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحب نے "التفاف" (شکنیں) کی بھی کوئی وجہ نہیں بتائی۔ جو جغرافیہ طبیعی میں اسکولوں میں ہم کو یہ پڑھائی گئی تھی کہ زمین شروع میں ایک آگ کا کرہ تھی۔ ایک طویل عرصہ کے بعد اس کا قشر رفتہ رفتہ سرد ہو گیا جس سے اس پر حیوانی اور نباتی زندگی ممکن ہوئی۔ ٹھنڈا ہونے پر وہ سکڑا یعنی کہیں دب گیا۔ اور کہیں ابھر آیا اور یہ ابھری ہوئی شکنیں ہی پہاڑ بن گئیں۔

مذکورہ بالا عبارت سے آگے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں :۔

یہ بھی ایک ارضیاتی حقیقت ہے۔ کہ پہاڑوں کے استحکام کا تعلق "مظہر التفاف" سے ہے۔ کیونکہ شکنوں کے سلسلہ یا التفاف کی بدولت ہی سلسلہ کوہ میں بلند و پست کی کیفیت رونما ہوتی ہے۔ اور یہی بلند و پست پہاڑ کہلاتے ہیں۔ یہ بات بھی یہاں گنجلک آمیز معلوم ہوتی ہے کہ پہاڑوں کے استحکام کا تعلق "مظہر التفاف" سے کس طرح ہے؟ ان کی تخلیق سے تو التفاف کا تعلق معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا نہ کہ استحکام سے۔ شاید ڈاکٹر صاحب یہ کہنا چاہتے ہوں کہ پہاڑوں کے غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے قشر الارض اپنے نیچے کے گرم اور سیال مادہ میں کافی دھنس گیا جس سے پہاڑوں کی بنیادیں گہری ہو کر ان کے استحکام کا باعث بنیں۔ واللہ اعلم

آخیر میں صفحہ ۲۷ پر انہوں نے سورہ نبا آیت ۶، ۷ کا ترجمہ "کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟" پیش فرما کر لکھا ہے۔ "میخ یا کھونٹے (اوتاد) جو زمین میں گاڑے گئے ہیں ایسے جیسے کسی خیمے کو گاڑنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں یہاں گہرے ارضی شکنوں کی بنیادیں ہیں پس اس سلسلہ میں قرآن نے جو بیان دیا ہے وہ جدید ارضیاتی معلومات سے مکمل مطابقت رکھتا ہے۔" اس عبارت سے بھی زیادہ یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ پہاڑ قشر زمین کو اس کے گودے (یعنی اندرونی گرم اور سیال کرہ) پر جمائے رکھنے کے لئے استحکام فراہم کرتے ہیں اور صرف اسی اعتبار سے ان کو "زمین کی میخیں" فرمایا گیا ہے۔ مگر قرآن میں دوسرے تین مقامات پر (سورہ نحل آیت ۱۵۔ سورہ انبیاء آیت ۳۱۔ اور سورہ لقمان آیت ۱۰ میں) تخلیق جبال کی حکمت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ (زمین) ہمیں یعنی انسانوں کو لے کر ہلنے یا ڈانواں ڈول نہ ہونے لگے۔ اگر سائنس سے یہ ثابت ہو جاتا کہ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو زمین ہلا کرتی۔ تب تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ واقعی سائنسی تحقیق قرآن کے عین مطابق اور اس کی تشریح کرنے والی ہے۔ باقی جو کچھ ڈاکٹر صاحب (یعنی سائنس) نے بتایا ہے یعنی پہاڑوں کے بننے کا طریقہ۔ وہ اول تو ظنی ہے دوسرے نہ قرآن کے مخاطبین اولین کے لئے کچھ مفید تھا اور نہ آج کل کے ترقی یافتہ لوگوں کے لئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس بیان کو نہیں فرمایا اور پہاڑوں کو میخیں فرمانا صرف ان کی مضبوطی سے جمے رہنے کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ نہ کہ قشر الارض کو تھامنے کے لئے کیونکہ قرآن کے مخاطبین اولین زمین کے قشر اور مغز سے محض ناواقف تھے

لنہ میخ کی طرح مضبوطی سے جمار رہنا ان کا مشاہد تھا جس کے لیے کسی غور و خوض کی بھی حاجت نہ تھی۔ خلاصہ یہ کہ سائنس نے ایک ظاہر اور مشاہد چیز کی توجلا ضرورت ایک ظنی توجیہ کی۔ لیکن اخبار متعلقہ حکمت کی کوئی قابلِ قبول تحقیق ہنوز نہیں کر سکی۔

میں یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو خصوصی طور پر انسانوں اور ان کے مویشیوں کے فائدہ کے لیے پیدا کیا ہے۔ جب کہ سائنس کی رو سے زمین کے قشر کے سرد ہونے کے نتیجہ میں ان کا خود بخود بننا لازم آتا ہے۔ میرا یہ مطلب معاذ اللہ ہرگز نہیں کہ ان کے اس طرح بننے میں خدا کا کوئی دخل نہیں۔ دخل تو ہے کیونکہ انہوں نے ہی حرارت و برودت میں بعض تاثیریں رکھی ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں کے بننے میں خصوصی ارادہ متعلق نہیں ہوتا۔ پس بخیال احقر علوم جدیدہ کو غیر خدا پرستانہ ماحول میں، جیسا کہ آج کل کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ہوتا ہے۔ بلا تنقید پڑھنے پڑھانے کے نتیجہ میں ضعف ایمان کا زبردست خطرہ ہے۔

۲۷ صفحہ ۲۷۔ "اس قسم کی آیات کا صحیح مفہوم سمجھنا اب اس لئے ممکن ہوا ہے کہ ہم نے سائنسی میدان میں ترقی کر لی ہے ورنہ ماضی میں بے شمار لوگوں نے نہایت فصیح اور ادبی پس منظر کے ساتھ قرآن کی تفسیریں بیان کی ہیں لیکن ایسی آیات بہتر طور پر نہیں سمجھا گیا۔ کیونکہ وہ اس قسم کے سائنسی علم سے بے بہرہ اور ناواقف تھے لہذا سائنسدان ان کی تفسیر کو قابلِ قبول نہیں سمجھتے۔"

ایسی تمام آیات کی بلکہ پورے قرآن کی وہی تفسیریں صحیح اور مناسب ہیں جن کو سمجھنے کے لئے علوم جدیدہ کی مطلق ضرورت نہ ہو۔ اگر سائنسدان ان کو قابلِ قبول نہیں سمجھتے تو ان کی غلطی ہے۔ جیسا کہ نمبر ا (۶) میں مدلل و مفصل طور پر عرض کیا جا چکا ہے۔

۲۸ صفحہ ۲۸۔ آیت نمبر ۳۔ سورہ انبیاء کے آخری ٹکڑے کا ترجمہ ڈاکٹر صاحب نے "اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے تخلیق کیا۔ کر کے فرمایا ہے کہ "یہ آیت اس جدید نظریہ کی تصدیق کر رہی ہے کہ زندگی کی نمو پانی سے ہوئی"۔ ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ غلط ہے صحیح ترجمہ معہ تبصرہ نمبر ۱ میں ملاحظہ ہو جس سے ہرگز سائنسی نظریہ کی تصدیق نہیں ہوتی۔

۲۹ صفحہ ۲۸۔ کچھ ایسی ہی صورت (پرانی تفاسیر کے غلط اور ناقابلِ قبول ہونے کی) علم نباتات کے معاملہ کی ہے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں اس علم میں ابھی اتنی ترقی نہیں ہوئی تھی کہ اس حقیقت کو ایک قاعدہ کے طور پر مان لیا جاتا کہ پودوں میں بھی نر و مادہ کے لازمی جوڑے ہوتے ہیں۔ سورہ طٰہٰ کے اس بیان پر غور فرمائیں۔ خدا وہ ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ نباتات پیدا کیں۔ جو آپس میں جوڑا جوڑا اور ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ (طٰہٰ آیت ۵۳)

آیت کی یہ تفسیر بالکل غلط ہے۔ صحیح تفسیر نمبر ۱ کے ذیل میں ملاحظہ ہو۔ غلطی کی وجہ اور متعلقہ تبصرہ کے نمبر ۱، ۳، ۱۳ اور ۶ دیکھ لیں۔ ڈاکٹر صاحب کو خود بھی معلوم ہے کہ جوتے کے جوڑے کے لئے بھی زوجین آتا ہے (جیسا کہ ان کی کتاب میں ہے

کہیں پڑھا ہے) حالانکہ ان میں جنسیات کا وجود نہیں۔ لغت میں زوج کے معنی جوڑے کے علاوہ "ہر چیز کی قسم بھی دیے ہوئے ہیں۔ کہیں "زوج" کا مطلب "مقابل قسم" لیا جاتا ہے خصوصاً زوجین میں۔ جیسے جوتے کے جوڑے میں ایک دوسرے کا مقابل ہوتا ہے۔ میاں بیوی بھی اسی لئے "زوجین" کہلاتے ہیں پس آیت زیر بحث میں" ازواجاً من نبات شتّٰی کا صحیح ترجمہ "اقسام مختلف کے نباتات" ہے۔

۳۰۔ صفحہ ۲۹۔ پھل دار پودوں کے اندر جنسی خصوصیات ہوتی ہیں۔ اس جدید نباتیاتی حقیقت پر سورہ رعد کی آیت ۳ روشنی ڈال رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے آیت کا ترجمہ کیا ہے:

"اور اس (زمین) میں ہر نوع کے پھلوں میں دو دو کے جوڑے پیدا کئے" جو غلط ہے۔ کیونکہ انہوں نے جوڑے سے مراد نر و مادہ لئے ہیں۔ سو اول تو پھلوں میں نر و مادہ ہوتے ہی نہیں۔ البتہ بعض درختوں میں ہوتے ہیں جیسے کھجور یا پپیتہ (اکثر نباتات میں تو ایک ہی پودے کے پھولوں میں بیج پیدا کرنے والے نر و مادہ حصّے یا اعضا ہوتے ہیں) دوسرے اس زمانہ کے لوگ تناسل و توالد نباتات کا کوئی قابل لحاظ علم بھی نہیں رکھتے تھے پس صحیح ترجمہ آیت کا یہ ہوگا۔

"اور اس میں ہر قسم کے پھلوں سے دو دو قسم کے پیدا کئے۔ (مثلاً کھٹے اور میٹھے، چھوٹے اور بڑے کوئی کسی رنگ کا کوئی کسی رنگ کا") واضح رہے کہ قرآن میں زوجین سے نر و مادہ صرف وہاں مراد ہوں گے جہاں یہ لفظ انسانوں یا حیوانوں کے لئے آیا ہو ورنہ ترجمہ زوجٌ کا "مقابل قسم" یا محض "قسم" سے کیا جانا ہی صحیح ہوگا۔ اور یقیناً جن مفسرین نے اس کے خلاف کیا ہے مثلاً علامہ یوسف علی یا مولانا مودودی وہ سب غلطی پر ہیں بلکہ غیر شعوری طور پر گناہ کے مرتکب بھی۔ کیونکہ ان کی اس تفسیری جدّت سے بواسطہ یہ لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحیح تفسیر سمجھنے سے قاصر رہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بھی معاذ اللہ عقول عامہ کی رعایت ملحوظ نہ رکھی۔ اور آیت زیر بحث میں دو کا عدد بھی تمثیلاً ہے۔ ورنہ بعض پھلوں یا چیزوں کی بہت سی قسمیں بھی ہوتی ہیں۔

ایک مشہور آیت جس کے ترجمہ میں یہ جدید مفسرین غلطی کرتے ہیں یہ ہے:

ومن کل شیئٍ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون۔ اور دوسری سبحٰن الذی خلق الازوٰج کلّھا ممّا تنبت الارض ومن انفسھم ومما لایعلمون۔ دونوں میں زوجین و ازواج سے مراد نر و مادہ نہیں ہیں۔ (احقر قارئین سے ملتجی ہے کہ وہ ان دونوں[1] آیتوں کی تفسیر "بیان القرآن" میں ضرور دیکھ لیں جس سے ان کو نفع بھی پہنچے گا اور احقر ان کا ممنون بھی ہوگا) البتہ سورہ ہود کی آیت ۴۰ "من کلٍّ زوجین اثنین" کا ترجمہ "ہر قسم (کے جانوروں میں) سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو دو کیا جائے گا۔ کیونکہ یہاں "زوجین" کا جانوروں کے لئے آنا واضح ہے۔ امید ہے کہ اب قارئین کرام احقر کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔

۳۱۔ صہ ۲۹، ۳۰۔ غذا سے خون اور دودھ بننے اور دوران خون کے متعلق جدید ترین طبی معلومات پیش کرنے کے بعد صہ ۳ پر ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔

[1] پہلی ان میں سے آیت ۴۹ سورہ ذاریات ہے اور دوسری آیت ۳۶ سورہ یٰس ہے۔

"اس حقیقت کی وضاحت قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے جسے صدیوں تک سمجھے بغیر مفسرین ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے ہیں لیکن آج اس آیت کو سمجھنا مشکل نہیں رہا ہے۔" اس کے بعد انہوں نے آیت ۶۶ سورہ نحل کا ترجمہ دیا ہے۔ جو لفظی ترجمہ کی حد تک بالکل درست ہے۔ ذیل میں ہم "بیان القرآن" سے آیت کا تفسیری ترجمہ معہ ذیلی فوائد کے پیش کرتے ہیں:-

"اور نیز تمہارے لئے مواشی میں بھی غور درکار ہے (دیکھو) اُن کے پیٹ میں جو گوبر اور خون (کا مادہ) ہے اس کے درمیان میں سے (دودھ کا مادہ کہ ایک حصہ خون کا ہے، بعد ہضم غذا کے جدا کر کے تھن کے مزاج اور خاصیت سے اس کا رنگ بدل کر اس کو) صاف اور گلے میں آسانی سے اترنے والا دودھ (بنا کر) ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں۔"

ف۔ نُسقیکم مما فی بطونہ الخ میں یہ مراد نہیں کہ پیٹ میں ایک طرف گوبر ہوتا ہے اور ایک طرف خون اور دونوں کے درمیان دودھ رہتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو غذا ہوتی ہے اس میں دودھ بننے والے اور گوبر بننے والے اجزا مخلوط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جدا جدا کرتے ہیں۔ کچھ حصہ گوبر بن جاتا ہے اور کچھ ہضم کبدی میں اخلاط بنتے ہیں جن میں خون بھی ہے پھر خون میں دودھ بننے والا اور نہ بننے والا حصہ دونوں مخلوط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک حصہ جدا کر کے پستان (تھن) تک پہنچاتا ہے۔ جہاں وہ دودھ بن جاتا ہے جیسا کہ اُنثیین میں خاصیت رکھی ہے کہ خون وہاں پہنچ کر مادہ منویہ بن جاتا ہے یہ سب اللہ پاک کے کام ہیں۔

اب ہم ڈاکٹر صاحب سے بڑے ادب سے دریافت کرتے ہیں کہ آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے کیا قرآن کے مخاطبین اولین کو بلکہ ہم لوگوں کو بھی اس سے زیادہ کچھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اور کیا آپ تفسیر بالا کو سنجیدگی کے ساتھ "اِدھر اُدھر کی باتیں کرنا"، کہہ سکتے ہیں؟

بقیہ صہ ۵۶

فرمایا، مالک! کتاب لاؤ، مالک کتاب لایا۔ تو حضرت ابن شہاب زہری نے چالیس حدیثیں بیان کیں۔ اور ٹھہر گئے تو امام مالک نے عرض کیا! حضرت کچھ اور احادیث بھی بیان فرمائیے۔ ابن شہاب زہری نے فرمایا۔ یہی کافی ہیں اگر یاد کر لیں گے تو تمہارا شمار حفاظِ حدیث سے ہو گا۔

امام مالک نے عرض کیا۔ حضرت! میں نے آپ کی ارشاد فرمودہ احادیث آپ کے بیان کرتے ہی یاد کر لی ہیں۔ ابن شہاب زہری نے امام مالک کے ہاتھ سے تختیاں لے لیں اور فرمایا مالک! یاد کی ہوئی احادیث سنائیے! امام مالک نے سب حدیثیں سنا دیں۔ ابن شہاب زہری نے ہونہار شاگرد کا یہ ذوقِ علم اور وفورِ حافظہ دیکھ کر فرمایا۔ عزیز جاؤ تم علم کے زبردست فقیہہ ہو۔

کیپٹل ڈیولپمنٹ اتھارٹی

پرسانل ڈائریکٹریٹ

اسامیاں خالی ہیں

کیپٹیل ڈویلپمنٹ اتھارٹی میں درج ذیل اسامیوں کے لئے پاکستان کے شہری امیدواروں سے درخواستیں مطلوب ہیں۔ اسامیاں خالصتاً عارضی ہیں لیکن غیر معینہ مدت کے لئے جاری رہنے کا امکان ہے۔

۲۔ اسامیوں کے لئے درکار کم از کم قابلیت اور تجربہ اور پے سکیل بمعہ دیگر سہولیات حسب ذیل حاصل ہوں گی۔

نمبر شمار	نام اسامی	بی پی ایس	قابلیت تجربہ
۱۔	کاسٹ اکاؤنٹینٹ	۱۷ (۱۹۰۰-۱۲۰-۳۰۴۰)	بی کام معہ PIIA انٹرمیڈیٹ کاسٹ اکاؤنٹنگ میں کم از کم ۳ سالہ تجربہ
۲۔	میڈیکل ٹیکنالوجسٹ	۱۶ (۱۰۵۰-۸۰-۲۲۵۰)	i۔ بی ایس سی میڈیکل ٹیکنالوجی معہ بڑی نیوکلیئر میڈیسنز ii۔ ان کو ترجیح دی جائے گی جو شعبہ میں تجربہ رکھتے ہیں۔
۳۔	سائنٹیفک فوڈ آفیسر	۱۶	i۔ بی ایس سی (ہوم اکنامکس) معہ سپیشلائز بحیثیت ڈائٹیشن ii۔ تجربہ کار امیدواروں کو ترجیح دی جائے گی
۴۔	سٹاف نرسز (خاتون)	۱۴ (۸۵۰-۵۰-۱۸۵۰)	i۔ میٹرک ii۔ جنرل نرسنگ میں ڈپلوما iii۔ مڈوائفری میں ڈپلوما i۔ جاب کا سابقہ تجربہ رکھنے والے کو ترجیح
۵۔	لیبارٹری ٹیکنیشن	۹ (۶۲۰-۲۹-۱۲۰۰)	i۔ میٹرک

ii۔ ڈپلوما / سرٹیفکیٹ از این آئی ایچ یا اے ایف آئی پی
iii۔ ۳ سالہ تجربہ کسی ہسپتال میں بحیثیت لیبارٹری ٹیکنیشن

۹۔ سٹورمین ۵ (۵۲۰-۱۸-۸۸۰) i۔ میٹرک
ii۔ ترجیحاً سٹورز کی دیکھ بھال میں تجربہ رکھتے ہوں۔

۳۔ امیدواران درج ذیل سہولیات کے اہل ہوں گے۔

i۔ اکاموڈیشن مشاہرہ کے ۵ ٪ کی شرح سے بتابع دستیابی یا کرایہ مکان الاؤنس بمطابق قواعد حاصل ہو گی۔
ii۔ میڈیکل مفت طبی علاج معالجہ برائے ملازم اور اہل خانہ بمطابق قواعد حاصل ہو گا۔
iii۔ جی پی فنڈ سی ڈی اے قواعد کے تحت حاصل ہو گا۔
iv۔ پنشن / گریجوائٹی سی ڈی اے پنشن ریگولیشنز ۱۹۸۱ء کے مطابق حاصل ہو گی۔

۴۔ عمر ۳۵ سال سے زیادہ نہ ہو، حقیقی مستحق صورتوں میں قابل رعایت۔

۵۔ ملازمت پر تقرری وفاقی حکومت کے مقرر کردہ صوبائی / علاقائی کوٹہ کے مطابق کی جائے گی۔

۶۔ اسامیاں سیریل نمبر ۴ مثلاً سٹاف نرسسز کو ۔/۳۰۰ روپے ماہوار سپینگ الاؤنس اور ۔/۱۲۵ روپے یونیفارم الاؤنس مقررہ شرائط کے تابع دیا جائے گا۔ نرسز ہوسٹل میں غیر شادی شدہ امیدواروں کو بلا کرایہ رہائش مہیا کی جائے گی۔

۷۔ درخواست فارمز باقاعدہ مکمل شدہ بہمراہ نقول ڈگریاں، ڈپلوما، سرٹیفکیٹس اور تصدیقات ڈائریکٹوریٹ آف پرسانل، سی ڈی اے فلیڈ بلاک۔ II خیابان سہروردی اسلام آباد کو ۸ جنوری ۱۹۸۷ء کو یا قبل پہنچ جانی چاہئیں۔ درخواست فارمز ڈی ڈی او (سیکرٹریٹ) سی ڈی اے، واقع فلیڈ بلاک II خیابان سہروردی، اسلام آباد سے ۔/۳ روپے فی فارم ادا کر کے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ایسے امیدواران جو راولپنڈی / اسلام آباد کے علاوہ جگہ پر سکونت پذیر ہیں۔ ڈی ڈی او (سیکرٹریٹ) سی ڈی اے اسلام آباد کو منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر کے ذریعہ ۔/۴ روپے بھیج سکتے ہیں۔ جس کے وصول ہونے کے بعد فارم ان کو فراہم کر دیئے جائیں گے۔

۸۔ برسر روزگار امیدواران اپنی درخواست موزوں توسط سے ارسال کریں۔

(عبدالوحید) ڈائریکٹر پرسانل
کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی، اسلام آباد۔ فون ۸۲۳۱۲۳ (PID) 2727/1(6138-C)

UNIFOAM
یونی فوم
کے
گدے
صوفہ سیٹ
تکیے
اور کشن
جدید ترین آٹومیٹک پلانٹ پر
تجربہ کار ماہرین کی زیر نگرانی تیار کردہ
UNIFOAM UNIFOAM
MATTRESSES
تیار کردہ: یونائیٹڈ فوم انڈسٹریز لمیٹڈ (لاہور) پاکستان
یوسف سنز
بابو بازار راولپنڈی
فون نمبر
66754
66933

مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب ۔ مدرس دارالعلوم حقانیہ

قسط ۳

حقّانیہ سے ازہر تک

پانچ بجے کے قریب شام کا، وفد کو لے جانے والی گاڑی" مدینۃ البعوث الاسلامیہ" کے گیٹ کے سامنے رک گئی۔

مدینۃ البعوث الاسلامیہ جامعہ ازہر کے طلباء کے لئے ایک عالیشان ہوسٹل ہے۔ عباسیہ کے سیکٹر میں واقع ہے۔ اور ایک سو چھبیس (۱۲۶) ہزار مربع میٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ چالیس عمارات (بلڈنگ) پر مشتمل ہے۔ ہر ایک بلڈنگ میں ایک سو طلبہ آسانی سے رہ سکتے ہیں۔ گویا پورے ہوسٹل میں چار ہزار طلبہ کی گنجائش ہے۔

قانوناً ہر ایک طالب علم کو ایک ایک کمرہ مستقل دیا جاتا ہے۔ چارپائی، میز، کرسی، اور ایک بستر ہوسٹل کی جانب سے طالب علم کو دیا جاتا ہے۔ طلبہ کی جملہ ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مختلف یوٹیلٹی سٹور ہوسٹل کے اندر بنائے گئے ہیں۔ ایک خوبصورت مسجد کے علاوہ دفاتر، مستشفیٰ (ہسپتال)، بحث و مباحثہ کے لئے کمرے لائبریری، کیفے ٹیریا اور مہمان خانہ ہوسٹل کے اندر بنایا گیا ہے۔ انتظامی امور کے لئے ہوسٹل کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جب کہ جملہ امور کی نگرانی مشرفِ عام یعنی نگران اعلیٰ کرتا ہے۔ پولیس پارٹی کا ایک سٹیشن بھی ہوسٹل کے اندر قائم ہے۔ اس کے علاوہ غیر ملکی طلبہ کی سہولت کے لئے وزارتِ داخلہ کی ایک برانچ بھی خصوصی طور پر یہاں قائم ہے۔ ہوسٹل کی چار دیواری کے اندر، طالب علم پر پڑھنے، مطالعہ کرنے یا نماز پڑھنے پر کوئی پابندی نہیں۔ طالب علم کو بالکل آزاد چھوڑا گیا ہے۔ البتہ یہ پابندی ضرور ہے کہ غیر متعلقہ اشخاص کسی طالب علم کا مہمان ہی کیوں نہ ہو ہوسٹل کے اندر نہیں جا سکتے۔

استاذِ محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب جب مصر تشریف لائے تو انتظامیہ سے خصوصی اجازت لے کر آپ نے ہوسٹل دیکھا۔ ہمارا سفر اور جانا چونکہ جامعہ ازہر کی دعوت پر تھا اس لئے جامعہ ازہر کے اجمالی تذکرہ کے بغیر یہ سفر یقیناً نامکمل رہے گا۔

تعارف جامعہ ازہر | جامعہ ازہر دنیا کی وہ عظیم یونیورسٹی ہے جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ایک ہزار سال سے زائد مدت کی عظیم تاریخ کی حامل ہے۔ صدیاں گذرنے کے ساتھ ساتھ جامعہ ازہر تعلیمی میدان کے نشیب و فراز کے دور سے گذرتی رہی۔ عروج اور تنزّل کی مدارج کو طے کیا۔ آج ازہر کے ایک ایک ستون سے

حافظ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ، جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ، علامہ مقریزی المتوفی ۸۴۰ھ اور مشہور مورخ علامہ ابن خلدون المتوفی ۸۰۷ھ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ جامعہ ازہر کا ہر کونہ اور جملہ در و دیوار ایک مستقل تاریخ ہے یہاں کی ہر ایک اینٹ اور پتھر نے علم و دانش کی عظیم شخصیتوں سے دید و ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے۔

جامعہ ازہر کی ابتداء جامعہ ازہر کی ابتداء فاطمی خاندان کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ یہ وہی حکمران خاندان ہے جس نے شمالی افریقہ اور مصر پر ۲۹۷ھ سے لے کر ۵۶۷ھ تک حکومت کی۔ اس خاندان نے عباسی حکمرانوں کے ہاتھوں سخت مصیبتیں جھیلی تھیں۔ خوش قسمتی سے ان لوگوں نے مصر میں جب آنکھ کھولی تو اس وقت ملکی حکمرانی میں مذہب کو کافی دخل تھا۔ فاطمیوں نے موقع غنیمت سمجھ کر اپنے شیعہ مذہب کے لئے ایک مرکز کھولا جس کا نام "الازہر" رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ "الازہر" کے اس وجہ تسمیہ میں بھی انہوں نے مذہب پرستی کا ثبوت دیا۔ عقیدت کی بنا پر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی طرف اس کی نسبت کی۔

فاطمیوں کی آمد سے قبل اگرچہ قاہرہ میں "جامعہ عمرو بن العاص"، "مسجد العسکر" اور "مسجد طولون" جیسی عظیم الشان مساجد آباد تھیں لیکن شیعہ مذہب کی خدمت ان کو یہاں ممکن نظر نہ آئی۔ چنانچہ ان کی آمد کے فوراً بعد ۲۴ جمادی الاول ۳۵۹ھ میں "الازہر" کی بنیاد رکھی گئی۔ دو سال کی قلیل مدت میں پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے بعد ۱۷ رمضان ۳۶۱ھ کو باقاعدہ نماز جمعہ سے ابتداء کی گئی۔ بنیاد رکھتے وقت ان کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ یہ دنیا کی ایک عظیم یونیورسٹی ہو بلکہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسجد کے محراب و منبر سے شیعہ مذہب کی آواز بلند ہو۔ لیکن رفتہ رفتہ الازہر بجائے ایک مسجد کے تعلیمی ادارہ میں منتقل ہو گیا۔

۳۶۵ھ کو صفر کے مہینے میں "المعز لدین اللہ الفاطمی" کے دور میں یہاں پر درس کا باقاعدہ افتتاح ہوا قاضی القضاۃ ابو الحسن علی بن النعمان المغربی (جو بقول ابن خلدون کے "کان من اھل العلم والفقہ والدین تھے") نے فقہ کی کتاب "الاقتصار" کا درس دیا۔ بعد ازاں علمی حلقوں کا اہتمام کیا گیا۔ یعقوب بن کلس کے مشورہ سے خلیفہ عزیز نے علماء کے لئے تنخواہیں مقرر کیں۔ ۳۷۸ھ میں مسجد کے ساتھ طلبہ کے لئے کچھ کمرے بنوائے گئے۔ اور ۳۵ طلبہ کے لئے حکومت کی طرف سے وظائف مقرر کئے گئے۔

۴۰۰ھ حاکم بامر اللہ نامی خلیفہ نے مسجد کی عمارت کی تجدید کرائی۔ اور مصارف کے لئے ایک سو ستاسٹھ (۱۶۷) دینار منافع کا سالانہ جائیداد وقف کی۔ امراء و سلاطین کی ان خصوصی نگہداشت سے ازہر کا بیرونی دنیا سے تعارف ہوا۔ جس کے نتیجہ میں دور دور سے تشنگان علم و معرفت نے ازہر کی راہ لی۔

ازہر دورِ عباسیہ میں دو سال تک ازہر نے شیعہ مذہب کی خوب ترویج اور خدمت کی لیکن ۵۶۷ھ مطابق ۱۱۷۱ء میں مصر پر جب دوبارہ عباسی خلافت قائم ہوئی اور صلاح الدین ایوبی نے اقتدار پر قبضہ کر لیا تو اس نے ازہر

کی تقدیر بدل ڈالی۔ فاطمین کی تمام تمناؤں کو خاک میں ملا دیا۔ بیک حکم شیعہ مذہب کے تمام اقدامات ختم کر دئے۔ شیخ صدر الدین عبد الملک بن درباس الشافعی کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ جو شیعہ مذہب کے مفروضی عقائد سے خوب کھیلا۔ شافعی المذہب ہونے کی وجہ سے فقہ شافعی کی رو سے ایک گاؤں میں تعدد نماز جمعہ مرخص نہ ہونے کی وجہ سے قاضی موصوف نے "مسجد الحاکمی" کی وسعت کے پیش نظر نماز جمعہ بند کر دی۔ اور یہ اعلان کیا کہ آئندہ کے لئے نماز جمعہ صرف "مسجد الحاکمی" میں پڑھی جائے گی۔ "الازہر" میں نماز جمعہ بند کرانے کے بعد ازہر پر ترقی کی راہیں بند ہو گئیں۔

عباسی خاندان نے اہلسنت والجماعت کی فقہ کو خصوصی اہمیت دی۔ ازہر کے مقابلہ میں اہل سنت والجماعت کے لئے فقہی سکول کھولے گئے۔ چنانچہ فقہ شافعی کے لئے "مدرسہ ناصریہ" اور "مدرسہ صلاحیہ"، فقہ مالکی کے لئے "مدرسہ قمحیہ" اور فقہ حنفی کے لئے "مدرسہ سیوفیہ" کھول دیا گیا اور بڑے فیاضانہ انداز میں ان مدارس کی خدمت کی گئی۔ ان خصوصی توجہات کی وجہ سے ازہر پر جمود کا دور طاری ہوا۔ عام لوگوں کی نظر میں ان سرکاری مدارس پر مرکوز ہو گئیں۔ لیکن پھر بھی ازہر کو ایک درسگاہ کی حیثیت حاصل رہی۔ تاہم شیعہ مذہب کی جگہ اب یہاں سے اہلسنت والجماعت کے مذہب کی آواز بلند ہونے لگی۔

ازہر مملوکی دور میں | ایک سو سال جمود کے اس دور سے گذر کر سلطان المملوکی الظاہر بیبرس البندقداری جب برسر اقتدار آئے تو انہوں نے الازہر پر خصوصی توجہ دی۔ سب سے پہلا اقدام جو اس نے الازہر کی بہتری کے لئے کیا۔ وہ نماز جمعہ کی بحالی ہے۔ چنانچہ ۸ ربیع الاول ۶۶۵ھ کو آپ نے دوبارہ نماز جمعہ الازہر کی جامع مسجد میں شروع کرائی۔ مشہور مورخ علامہ مقریزی ان اقدامات پر قلم اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> "پرانی آبادی کی تجدید کی گئی۔ چھت کو درست کر کے دوبارہ سفیدی کا بندوبست کیا گیا۔ قرآن وحدیث اور فقہ کے درس کا باقاعدہ انتظام کیا گیا۔ غصب شدہ جائیدادوں کی واپسی کے علاوہ اور بھی بہت سی جائیداد وقف کی گئی۔ اور ازہر کا ایک نیا دور شروع ہوا۔"

سقوط اندلس کے بعد علماء اور فضلاء ازہر کی طرف متوجہ ہوئے۔ بہت ہی جلد کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ بحال ہو گئی اور ایک مختصر وقت میں علماء و فضلاء کا ایک جم غفیر ازہر میں جمع ہو گیا۔ طلبہ اور فضلاء کے پیش نظر (کثرت کے پیش نظر) مزید کچھ جائدادیں بھی وقف کی گئیں۔

ازہر کا دور جدید | اگرچہ ازہر پر علماء وفضلاء کا تانتا بندھا رہا۔ لیکن قدیم طرز تعلیم کی وجہ سے کوئی منظم تعلیمی پروگرام نہیں تھا۔ طالب علم کی ترقی اس کی ذاتی قابلیت اور محنت پر مبنی رہتی۔ استاد ایک ستون کے قرب وجوار میں بیٹھ کر شاگردوں کو درس دیتا۔ کسی شاگرد سے سال بھر میں بطور امتحان میں کوئی باز پرس نہ ہوتی۔ حوصلہ افزائی کے لئے کوئی خاص

انتظام نہیں تھا۔ وقتی مصالح کی بنا پر اگرچہ بعض علوم کے اخراج و ادخال کا سلسلہ جاری رہتا۔ لیکن تعلیمی انتظام ۱۸۷۲ء تک جوں کا توں رہا۔

آخر کار "خدیو اسماعیل" کے دور میں نظام تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی۔ جس کا تمام تر سہرا شیخ محمد العباسی المہدی کے سر ہے جس نے شیخ الازہر اور مفتی کے عہدہ پر رہ کر اس کی طرف خاص توجہ دی۔ مالکی، شافعی، اور حنفی مسالک سے دو دو جید علماء کے چھ ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جو طلبہ کی تعلیمی سرگرمیوں کے لئے ذمہ دار ٹھہرائی گئی۔ کمیٹی طلبہ سے امتحان لے کر کامیاب ہونے پر سند دیتی۔ لیکن سند کی کوئی خاص وقعت نہ ہونے کی وجہ سے اکثر طلبہ امتحان سے غیر حاضر رہتے۔ بیرخی کے اس ماحول کو ختم کرانے کے لئے جدید علوم کے اضافے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ازہر کے ایک ملکی طاقت ہونے کی وجہ سے کوئی یہ جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ علوم قدیم کی جگہ علوم جدیدہ کو داخل کرائے۔ مرحوم محمد عبدہٗ نے اس کے لئے بار بار کوشش کی لیکن ماحول کی ناسازگاری کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔ ۱۳۰۵ھ میں شیخ الازہر شیخ محمد انبالی اور مفتی مصر شیخ محمد بنّا سے فتویٰ جواز لینے کے باوجود بھی کوئی خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے۔ آخر کار "مجلس الاعلیٰ للازہر" کے قیام کے بعد جدید خیالات کے لئے راہ ہموار ہوئی۔

۱۹۳۰ء میں شیخ محمد الاحمدی الظواہری کی کوششوں سے ازہر میں ایک منظم تعلیمی پروگرام شروع ہوا۔ ابتدائی، ثانوی اور عالی درجات میں نظام تعلیم تقسیم ہوا۔ جس کی رو سے ایک طالب علم کے لئے درجہ عالیہ تک پہنچنے کے لئے چار سال ابتدائی میں، پانچ سال ثانوی میں لگانے پڑتے۔ ۱۹۳۶ء میں ایک قانون کی رو سے دراسات علیا (ایم اے اور پی ایچ ڈی) کے درجوں کا اضافہ کیا گیا۔

۱۹۶۱ء میں حکومت نے ایک قانون پاس کر کے شیخ الازہر کو "امام الاکبر" کا درجہ دے دیا۔ دن بدن اصلاحی کوششوں کی بدولت ازہر نے جامع مسجد کی جگہ ایک "جامعہ" کی شکل اختیار کی۔

آج جامع ازہر میں اننالیس کالج ہیں۔ جس میں اٹھائیس لڑکوں اور گیارہ لڑکیوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ۱۹۸۶ء کی رپورٹ کے مطابق ازہر سے ایک لاکھ بیس ہزار طلبہ و طالبات کا رشتۂ تلمذ ہے۔ چار ہزار طلبہ کا تعلق دنیا کے پچاس ممالک سے ہے اور غیر ملکی ہونے کی حیثیت سے تعلیم پا رہے ہیں۔ علاوہ ازیں دنیا کے ستر مختلف ممالک میں ازہر کی مبعوثین کام کر رہے ہیں۔

بہرحال گیٹ پر چند پاکستانی طالب علموں نے بڑی گرمجوشی سے ہمارے وفد کا استقبال کیا۔ حب ملت کے جذبہ سے سرشار معماران قوم و ملت کی محبت کی وجہ سے بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ مصافحہ اور معانقہ میں یہ تاثر دلا رہے تھے کہ کئی مدتوں کے بچھڑے ہوئے آج مل رہے ہیں۔ پاکستانی دوستوں کی رفاقت اور استاد عبدالمنعم کی رہنمائی میں ہم لوگ "عمارہ واحدہ" یعنی پہلی نمبر عمارت میں پہنچ گئے۔ یہ عمارہ مسجد کے شمال میں بالکل قریب واقع ہے دیگر

عمارات کی طرح اس میں بھی غیر ملکی طلبہ رہتے تھے۔ ضرورت کے پیش نظر انتظامیہ نے یہ عمارہ ائمہ اور خطباء کے لئے مخصوص کی تھی۔ ہمارے پہنچنے سے قبل کچھ مصری خطباء وائمہ اور افریقہ کے کچھ دوست پہنچ چکے تھے۔ عمارت کا اکثر حصہ بھر گیا تھا۔ دستور کے مطابق اگرچہ ہر کمرے میں صرف ایک طالب علم رہتا تھا لیکن شرکا کورس اس قانون سے مستثنیٰ تھے۔ چنانچہ کورس والوں میں سے ہر کمرے میں دو دو کو ٹھہرایا گیا تھا۔ معلوم نہیں کہ اس فرق وامتیاز رکھنے کے لئے کونسے اسباب وعوامل تھے؟ چھوٹے کمرے اور صفائی کا خاطر خواہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے یہ جگہ دوستوں کو پسند نہ آئی۔

اٹھارہ اور انیس گریڈ کے ان سرکاری خطباء کے پروٹوکول کا خیال نہیں رکھا گیا۔ بلکہ عام طالب علموں کی طرح ان کو بھی ان کمروں میں رکھا گیا۔ بادل نخواستہ اپنی پسند کے ساتھی سے مل کر دو دو ساتھی الگ الگ کمروں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں وہ شعلہ بیان مقرر بھی تھے جو بیک آواز انقلاب برپا کر سکتے تھے۔ لیکن "مجبوری کا نام شکریہ" خاموش رہ گئے۔ یہ وہ وقت تھا جہاں کسی احتجاج سے کوئی نتائج برآمد نہیں ہو سکتے تھے اور نہ کسی پر رعب یا دباؤ ڈالا جاسکتا تھا۔ رہنے سہنے کے ناموافق انتظامات کو دیکھ کر سفری تھکاوٹ بھول گئے۔ ہر ایک متحیّر اور متفکر نظر آرہا تھا بڑے بڑے دوستوں سے سنا گیا کہ کاش اگر ہمیں یہاں کی یہ حالت معلوم ہوتی تو ہم یہاں آنے کے لئے اس کورس کا نام بھی نہ لیتے۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ یہ صدائیں ان ساتھیوں کی زبان سے بلند ہوئیں جو اونچے خیالات لے کر جا رہے تھے۔ اس پریشان کن کیفیت میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے۔ آخر کار "قہر درویش بر جان درویش" کی صورت پیش آمدہ کی وجہ سے صبر ہی کرنا پڑا۔

قسط ۶

مولانا عبدالقیوم حقانی ، فاضل و مدرس دارالعلوم حقانیہ

قصابوں کے پیشہ سے تعلق رکھنے والے ارباب علم و فضل کا تذکرہ

(علامہ سمعانیؒ سے ملاقات)

۱۱ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ سے آٹھ ماہ کے طویل عرصہ کے بعد آج ۹ ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ کو پھر سے حضرت العلامہ سمعانیؒ سے کتابی ملاقات کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اس طویل عرصہ میں شدتِ اشتیاق اور شوقِ ملاقات کے باوجود اپنے عظیم محسن، ایک بے مثال مورخ، علم الانساب کے ماہر اور کتاب الانساب کے شہرہ آفاق مصنف علامہ عبدالکریم سمعانی کی بارگاہِ علم و ادب میں حاضری کی سعادت حاصل نہ کر سکا۔ سُن رکھا تھا کہ وصال سے حسرت وصال میں جو لذتیں ہیں وہ وصال کے عشرِ عشیر میں بھی نہیں۔ اس قول میں کتنی صداقت ہے کیسے سمجھایا جا سکے اور سمجھائیں تو کسے ؎

داستانِ عشق کی ہم کس کو سنائیں آخر
جس کو دیکھو وہی دیوار نظر آتا ہے

بلوغ کی لذتیں کس تعبیر اور کیسے الفاظ کے ساتھ سمجھائی جا سکتی ہیں اور یہ کب ممکن ہے کہ اسے الفاظ کے محدود سانچے میں ڈھالا جا سکے۔ اور سنا آج تک کوئی یہ کر سکا۔ کہ آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دے۔ البتہ جگ بیتی کے ذیل میں آپ بیتی موجود ہوتی ہے حسرتِ وصال آپ بیتی ہے اسے جگ بیتی کیسے بنایا جا سکتا ہے۔

بہرحال مدتوں کی حسرت، سات آٹھ ماہ کا طویل فراق، جدائی کا صدمہ، ذوقِ استفادہ، تحصیلِ علم اور جذبہ ملاقات کے ملے جلے جذبات لے کر علامہ سمعانی کی مجلسِ روحانی اور دربارِ علم و عرفان میں باریاب ہوا۔ شناسائی تو پہلے ہی سے تھی اب کے بار مسلسل غیر حاضری اور طویل فراق کو بدذوقی اور جذبۂ طلب میں عدمِ اخلاص پر حمل کر کے کچھ اعراض سا فرمایا۔ اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ مجھے خوشی تھی کہ اپنا سمجھ کر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ دل و جان سے چاہنے والے پروانوں اور سچے عشاق کے ہجوم میں کون کسی کی کیا پوچھتا ہے۔ دل سرور سے مسرور تھا اور ضمیر فرطِ مسرت سے گنگنا رہا تھا ؎

ترچھی نظر سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں
ہم شاد ہیں کہ ہیں تو کسی کی نگاہ میں

کسی عذر و بہانہ سازی اور حیلہ جوئی کے بغیر، دل و جان سے ندامت کے جذبات سے معمور نگاہیں اشک
ندامت سے بھرپور، معذرت اور طلب عفو کی درخواست در پیش حضور کر دی ۔

اختر صبح مضطرب، تاب دوام کے لئے

دست شفقت سر پر رکھا، نگاہ دلنواز نے دل کی دنیا بدل دی ارشاد فرمایا اصل چیز ذوق تحصیل علم اور
جذبۂ صدق طلب ہے جب تک یہ موجود ہے کام چلتا رہے گا علوم و معارف کی راہیں کھلتی رہیں گی ۔
زبان حال سے فرمایا، عزیزم! ہمیں تمہاری مشکلات اور مصروفیات معلوم ہی ہیں ۔ تمہارا کام حقائق السنن
کی ترتیب و تدوین اور تحقیق و مراجعت اہم کام ہے ۔ اس راہ سے بڑے بڑے شیوخ حدیث، اکابر اہل علم اور
محدثین کی زیارتیں اور ملاقاتیں بھی ہو جاتی ہیں ۔ استفادہ اور علمی ترقی کی راہیں بھی کھل جاتی ہیں ۔ تدریس کا مشغلہ بھی
علم کے بقا کا ذریعہ ہے ہدایہ کی تدریس سے علامہ مرغینانی اور فتح القدیر کے مصنف علامہ ابن الہمام کی فقاہت،
طرز استدلال، استنباط مسائل سے استفادہ اور اشتغال کی برکت سے جودت ذہن، فقہی مہارت اور علمی
ترقی کی منزلیں قریب ہوتی ہیں ۔ ایسے اکابر اور رجال علم سے تعلق نیک بختی اور سعادت مندی کی علامت ہے
مبارک ہو ۔

حضرت سمعانیؒ نے وفور شفقت اور کمال عنایت و تربیت کے پیش نظر میری دلجوئی ہمت افزائی اور حوصلہ
افزائی فرمائی ۔ زبان حال کا خلاصہ مقال یہ تھا ۔ ارشاد فرما رہے تھے، مجھے آپ کے دینی اور علمی مشاغل سے خوشی ہوئی
ہے ۔ اکابر اور مشاہیر اہل اسلام بالخصوص علم و دین کے محسنین کے ساتھ تعلق ضرور رکھو ہاں!
لطائف المنن والاخلاق فی وجوب التحدث بنعمۃ اللہ علی الاطلاق کے ذریعہ علامہ
عبدالوہاب شعرانی کے مجالس روحانی سے اکتساب فیض بھی نیک فال ہے ۔ مگر لگے ہے گا ہے اگر وقت ملے اور فرصت
ہو اور طبعاً و قلباً نشاط بھی حاصل ہو تو العالم الفاضل الشیخ تاج الدین اسکندری سے بھی کتابی ملاقات کر لیا کرو
ان کی دونوں کتابیں "لطائف المنن فی مناقب شیخ ابی العباس و شیخہ ابی الحسن" "مفتاح
الفلاح و مصباح الارواح" باطنی کیفیات کی روحانی ترقیات کا ذریعہ ہیں ۔ مذکورہ دونوں کتابیں علامہ شعرانی
کی لطائف المنن کا حسین تحشیہ ہیں ۔

"الانساب" کے اوراق پلٹتا رہا ۔ اور حضرت سمعانی کا عرفانی اور روحانی ارشاد بھی سنتا رہا ۔ فرما رہے تھے
ماشاء اللہ، تمہارا مشغلہ بھی دینی اور علمی ہے ۔ اسلاف امت اور اکابر ملت نے دنیا و ما فیہا کے نعمتوں پر اسے ترجیح

دی۔ مگر یاد رکھنا۔ کل اور آج میں بڑا فرق ہے۔ آج بعض بدنصیب ایسے بھی ہیں جو دین کو بھی معاش کا دھندا سمجھ کر نبھاتے اور روزی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ مگر ہمارے بزرگوں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ انہوں نے دین کی خدمت کی علم دین کی اشاعت کی اور زندگی گذارنے کے لئے غیروں سے استمداد، سوال اور احتیاج کے بجائے رزقِ حلال کا کوئی ایک پیشہ اختیار کیا اور اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آخرت بنائی — دیکھئے! کل قربانی کا دن ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ملت کا احیاء مقصود ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان قربانی کریں گے کہ اللہ کا دین زندہ ہو۔ قربانی عبادت ہے۔ مگر بدقسمتی سے رواج اور فیشن کے طور پر اپنائی جا رہی ہے۔ مسلمان اور دیندار ہو کر بھی ذبیحہ کے مسنون طریقہ تک سے ناواقفیت عام ہے۔ کرائے کے قصاب بلائے جاتے ہیں جنہیں عبادت و سنت اور ذبیحہ کے حلال و حرام سے کم اور اپنے اجر و مزد سے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔

ہمارے اسلاف قربانی بھی کرتے تھے اور ذبح بھی اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے اور اس پر خوش ہوتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت ہے۔

ادھر یہ گفتگو ہو رہی تھی اُدھر الانساب کا ورق پلٹ رہا تھا۔ نظر اٹھی دیکھا کہ ورق ۴۵۴ سامنے ہے اور صاحب "الانساب" ارشاد فرما رہے ہیں۔

یہ جو تمہارے سامنے تابعین، فقہاء، محدثین اور ائمہ و علماء کی طویل فہرست ہے اس میں نظر دوڑاؤ! کتنے بڑے بڑے ائمہ، محدث و مفسر، مجتہد و فقیہہ، علماء اور ملت کے رہنما نظر آ رہے ہیں۔ یہ سب علم دین کے ماہر، قرآن و حدیث کے عالم فاضل، اور امت کے عظیم محسن و رہنما تھے۔ انہوں نے کبھی بھی غیر کے سامنے دستِ سوال نہیں پھیلایا، احتیاج کا اظہار تک نہیں کیا۔ دین اور علم دین کی تحصیل، تدریس اور خدمت و اشاعت کی اور اجر کی امید صرف خدا سے رکھی۔ زندگی گذارنے کے لئے رزقِ حلال کمایا۔

کوئی بین الاقوامی تجارت، وسیع کاروبار یا کارخانوں اور بڑے پیمانے کی صنعت و حرفت سے نہیں بلکہ حلال جانور ذبح کر کے گوشت فروشی کرتے اور خدمتِ دین میں اطمینان حاصل کرنے کے لئے اپنے ہاتھوں کی مشقت اور مزدوری سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے۔

احقر نے الانساب کے سامنے والے صفحہ پر صاحب الانساب کی ہدایت کے مطابق دیکھنا شروع کیا۔ جلی قلم کے ساتھ "باب القاف والصاد" کے متصل بائیں جانب شہ سرخی کے ساتھ "القصّاب" لکھا ہوا تھا۔ علامہ سمعانی فرمانے لگے لفظ قصّاب "بفتح القاف وتشدید الصاد وفی آخرها الباء الموحدہ" عربی میں اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے ہاتھوں سے بکری اور دیگر حلال جانور کو ذبح کرتا ہے اور پھر ان کا گوشت بازار میں فروخت کرتا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اردو، فارسی اور بعض علاقائی زبانوں میں بھی حلال جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت بیچنے

بیچنے والوں کو قصاب کہتے ہیں۔ یہ عربی زبان سے ماخوذ اور مانوس لفظ ہے۔ مگر اس حیثیت سے نامانوس ہے کہ بڑے بڑے علماء، محقق، مصنف، مبلغ اور محدث بھی قصاب گزرے ہیں۔

علامہ عبدالکریم سمعانی کو خدا نے زبان کی شیرینی، درد دل اور سوز دروں سے نوازا ہے۔ اسلاف کی تاریخ اور امت کے رجال کار اور ان کے کارنامے اور ان کے انساب انہیں ازبر ہیں معلومات اور علم وعرفان کے بحر بے کراں ہیں۔ بند ٹوٹ گیا: تاریخ کے صفحات پلٹنے لگے۔ صرف ذبیحہ کرنے اور گوشت بیچنے والے قصابوں کا ذکر تھا۔ یہ امت محمدیہ کا قیمتی سرمایہ اور ملت اسلامیہ کا اصلی جوہر تھا۔ جنہوں نے افراد ملت کی علمی اور روحانی زندگی اور ترقی و کمال کے لئے ایسی بہترین، تازہ اور طاقت ور غذا مہیا کی کہ پوری امت کے لئے گویا ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوئے۔ قصابوں کے پیشہ سے تعلق رکھنے والے ارباب علم وفضل، علماء اسلام اور رہنمایان ملت اور مشاہیر اہل علم کی تعداد بے شمار ہے۔ ان کی ذات سے توحید کو فروغ، علوم و معارف کو ترقی، اخلاق کو بالادستی اور اسلام کے پیغام کو ہمہ گیری حاصل ہوئی ہے۔

قصابوں کی اس فہرست کے آغاز میں امام حسن بن عبداللہ کا تذکرہ ہے۔ موصوف اپنے وقت کی عظیم شخصیت عالم و فاضل اور علم دین کے بے لوث خادم تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مولی حضرت نافع سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ موزوں پر مسح کی مشہور روایت حضرت نافعؓ کے واسطہ سے بیان فرمایا کرتے تھے۔

عن الحسن بن عبد الله القصّاب	حسن بن عبداللہ قصاب سے روایت ہے
عن نافع عن عبد الله بن عمرؓ	فرماتے ہیں حضرت نافعؒ نے عبداللہ بن عمرؓ
قال وقت لنا رسول الله صلى الله عليه	سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم في المسح على الخفين يوماً	نے موزوں پر مسح کے لئے وقت کی تعیین
وليلة وللمسافر ثلثة ايام	فرمائی مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات
ولياليها۔	اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات تک
	موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔

امام حسن قصاب طلب علم اور پھر اشاعت علم دونوں مرحلوں میں کردار و اعمال اور سیرت و اخلاق اور ظاہر و باطن سے خوب واقف تھا۔ تمام زندگی تحصیل و اشاعت علم سے وابستہ رہے۔ مگر رزق حلال اور معاشی ضروریات کے لئے در غیر پر جبیں رسائی کی خست و ذلت سے اپنی جبین کو آلودہ نہیں کیا۔ سب سے بے نیاز اور خدا سے نیاز مند رہے۔ قوت لایموت اور زندگی کی معاشی ضرورت کی کفالت کے لئے قصّابی کا پیشہ اختیار کیا۔ علم کی فضیلت، اہل علم کی صف میں اولیت اپنے ہم زمانہ ارباب علم وفضل کے ساتھ معاصرت، معاشرہ

ہیں بلند قدر و منزلت اور علو شان۔ اس پیشہ کے اختیار کرنے میں نہ ان کیلئے شرم و عار بن کر سامنے آئے اور نہ رزقِ حلال کے کمانے سے کسی مانع لمحور کا روڑے بن کر سامنے آنے کا موقعہ دیا۔

موصوف تابعی تھے صحابہؓ کی زیارت سے مشرف تھے۔ ان نگاہوں کو دیکھا تھا جو براہِ راست چہرۂ نبوت کے انوار و تجلیات سے منور تھے۔ اور ایسی نگاہوں کے منظور نظر تھے جو تاجدار نبوتؐ کے رخ انور کی ضیا پاشیوں سے معمور اور عشقِ رسالت کی کیف و مستی سے مخمور تھے۔ ان کا اسوہ، صحابہ کا نمونہ اور ان کی سیرت و کردار کی ایک جھلک تھی۔ ان کا فقر و درویشی، ان کی خدمت و اشاعتِ علم، ان کا کسب حلال اور ان کی محنت و مشقت پر حضرات صحابہؓ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ امام حسن قصاب کی زندگی اور پاکیزہ کردار پوری امت کے علماء اور خدامِ اسلام کے لئے ایک سبق۔ ایک عبرت انگیز نصیحت، شوقِ علم اور ذوقِ عمل کی انگیخت کا ذریعہ ہے۔

قصابوں کے پیشہ سے تعلق رکھنے والے مشاہیر علماء اسلام کی اس فہرست میں علامہ سمعانی نے ابو عبداللہ حبیب بن ابی عمرہ القصّاب کا تذکرہ فرمایا۔ حبیب قصّاب بہت بڑے محدث، مرجع علم اور منبع جود وسخا تھے۔ طالبانِ علوم نبوتؐ کے حلقہ میں مشہور، تدریسی معیار کے لحاظ سے محبوب، گویا طلبہ کے دل کی دھڑکن تھے۔ علمی مقام اور روحانی قدر و منزلت میں علو شان کے مالک تھے۔ ذاتی وجاہت اور شخصی کردار نے انہیں تمام حلقوں اور عام معاشرہ میں ایک بلند مقام دے دیا تھا۔ مرکز علم کوفہ، جو محدثین کا شہر، فقہ کا گہوارہ علوم و معارف کا گڑھ۔ اور تفسیر و حدیث کا مخزن تھا جس کی ہوائیں اور فضائیں بھی علم و معرفت کے انوار سے بھرپور، قساوتِ قلبی اور جہالت کی تاریکیوں میں ذریعۂ نور تھیں۔ موصوف کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا یہی ان کا مسکن تھا اور اسی نسبت پر انہیں فخر اور ناز تھا۔ ان کے اساتذہ کثیر اور بے شمار تھے۔ مگر حضرت سعید بن جبیر ان سب کے گل سرسبد تھے۔ موصوف کو ان سے تلمذ اور روایت حدیث کا شرف حاصل ہے۔ حبیب قصاب کے تلامذہ کا حلقہ پھیلا ہوا اور بہت وسیع ہے گو علامہ سمعانی نے ان کے تلامذہ کی فہرست نہیں دی۔ اور نہ اس سلسلہ میں کوئی تفصیلی عندیہ بیان فرمایا ہے۔ تاہم ان کے اس ایک ارشاد سے حبیب قصاب کی عظمتِ تدریس اور مرتبہ علم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ علامہ سمعانی ارشاد فرماتے ہیں:

وروی عنہ الثوری — یعنی ان سے امام سفیان ثوری نے حدیث کی روایت کی ہے۔

علم حدیث کے جلیل القدر امام حضرت سفیان ثوری آپ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہیں آپ کے سامنے استفادہ اور تحصیل علم کی خاطر زانوئے تلمذ تہ کرچکے ہیں۔ اور آپ سے روایتِ حدیث بھی کرتے ہیں۔ اور آپ سے

تلمذ پر ناز اور فخر و اعزاز کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ حبیب قصاب کے عظمتِ مقام اور رفعتِ شان کے لئے اتنا کافی ہے کہ حضرت امام سفیان ثوری جیسے محدث نے ان سے کسبِ فیض کیا۔ اور آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے۔ اسلاف کا تذکرہ، اکابر کا تقویٰ، ائمہ اسلام کی سیرت اور محسنین امت کے سوانح و آثار گویا فیضانِ رحمت کا آبشار تھا۔ علامہ عبدالکریم سمعانی کی طبیعت کے بند ٹوٹ چکے تھے۔ جلالی و جمال اور علمی و روحانی کمال اپنے پورے بخت و اقبال کے ساتھ تموج میں تھا ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ علامہ سمعانی آج ہی اپنا جذبۂ اسلامی اور حمیّت ایمانی پورے زور اور خلوص کے ساتھ افرادِ امت میں منتقل کر دینا چاہتے ہیں۔ ابھی ایک کا تذکرہ اور اس کے اوصاف و کمالات کا بیان جاری تھا کہ دوسرے کا نام آتے ہی اس کے وصف و کمالات کے بیان میں کھو گئے۔ ابھی وہ تشنۂ تکمیل ہے کہ تیسرے کے حسن و جمال اور علمی و روحانی کمال نے اپنے تذکرہ و بیان کی دعوت دے دی ارشاد فرمانے لگے۔

عبدالعزیز بن موسیٰ قصاب بھی کسی بڑے کاروباری خاندان، یا سرمایہ دار اور کارخانے دار باپ کے بیٹے نہیں تھے اور نہ ہی ان کی یہ بے مثال عزت اور بے نظیر عظمت، وفورِ سرمایہ و دولت کی مرہونِ منت تھی اور نہ ہی انہیں کوئی دنیوی جاہ و منصب، عہدۂ قضا یا وزارت کی براجمانی حاصل تھی۔ جس نے لوگوں کو ان کا تابع بنا دیا تھا۔ فقر و درویشی اور علوم نبوت کی مصاحبت نے انہیں شہرت دی۔ پاکیزہ کردار نے انہیں عظمت بخشی اور اخلاص و للہیت نے انہیں رفعت عطا کی۔ اللہ کی حقیقی عبدیت نے انہیں عظمتِ آبرو کا سرتاج بنا دیا۔ ان سب کا مرجع، اور نقطۂ مرکز، دین اور علم دین سے پر خلوص، دائمی اور بے غرض وابستگی ہے علم زندہ ہے جو اس سے وابستہ ہو گیا ہمیشہ کی زندگی پا گیا ؎

بنا ہے شاہ کا مصاحب پھرا ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

موسیٰ قصاب کے بیٹے عبدالعزیز قصاب بھی کوئی شہنشاہ نہیں تھے قصاب تھے بکریاں اور حلال جانور ذبح کر کے گوشت بیچتے اس سے جو کمائی ہوتی اس سے خود بھی گذر اوقات کرتے اور اپنے بچوں اور افرادِ خاندان کا پیٹ پالتے مگر ان کا نام اور کام زندہ ہے۔ اور بادشاہوں کے تذکروں سے ہزار چند بڑھ کر تابندہ ہے۔ موصوف مرو کے رہنے والے تھے۔ مرو کے باشندے انہیں اپنا شیخ تسلیم کرتے ہیں اور جب بھی ان کا نام آتا ہے تو ان کی عظمت و رفعتِ شان سے اہلِ مرو کے سر جھک جاتے ہیں۔

عبدالعزیز قصاب کو بھی خدا تعالیٰ نے طبیعت معتدل اور فطرت سلیم بخشی تھی دنیا کا حسن و جمال اور اس کی ظاہری چمک و رعنائی ان کی نگاہوں کو خیرہ نہ کر سکی آپ نے دنیاداروں اور سرمایہ داروں کی راہ چلنے کے بجائے

علم اور خدمت دین، فقر و درویش اور غربت و مسکنت کی زندگی کو ترجیح دی۔ انہوں نے بادشاہوں کے درباروں سرمایہ داروں کی چوکھٹوں اور دنیا داروں کے دروازوں پر انسانیت کی آبرو کو رسوا نہیں کیا۔ بلکہ خالق کون و مکاں کی بارگاہ صمدیت میں سجدہ کیا اور ایسا سجدہ کہ سب سے بے نیاز ہو گئے ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ان کی نظر اللہ کے جمال اور اس کی قدرت و کمال پر تھی تو ذات پات، نسب و نسبت، مزدوری اور پیشہ و دست کاری ان کے لئے رکاوٹ نہ بن سکی تحصیل علم اور ذوق طلب کی تکمیل کے لئے ابوالحسین عبدالرحمن بن محمد دھّان (روغن ساز و روغن فروش) کی درسگاہ میں پہنچ کر سمہ پہلو فنا فی العلم ہو گئے۔ اس وقت آنکھ اٹھائی جب ان کا دامن علوم و معارف کے خزینے سے لبریز ہو چکا تھا۔ علوم نبوت اور عرفان و معرفت کے لازوال خزانوں سے مالا مال ہو چکے تھے۔ جو سب سے کٹ کر علم سے جڑ جائے تو علم اس کے سینہ کا دفینہ بن جاتا ہے۔ "العلم لا یعطیك بعضه حتی تعطیه کلك" "علم تجھے اپنا بعض حصہ بھی نہیں دے گا جب تک تو اپنے تمام جذبات و احساسات، تعلقات و معاملات دنیوی اور قلبی علائق سے کٹ کر صرف اور صرف علم ہی کا طالب، اسی کا عاشق زار اور اپنی ہر ادا سے اسی کا چاہنے والا نہ بن جائے۔

عبدالعزیز قصاب نے اسی راہ کو اپنایا۔ اسی کو اپنی زندگی کا اصول بنایا اسی کو اپنے نفع و ضرر اور اللہ کے قرب کا ذریعہ وصول بنایا۔ علم کی راہ سے منزل تک پہنچنا چاہا، پہنچے اور ایسے پہنچے کہ خدا نے فقیری میں امیری بے کسی میں بادشاہی اور بے لبسی میں من چاہی کی رفعتوں پر پہنچا دیا۔ ان کے شرف و منزلت اور مرتبہ و مقام کے لئے کیا کوئی کم دلیل ہے کہ علامہ سمعانی نے اعاظم رجال کی اس فہرست میں تیسرے نمبر پر تذکرہ فرمایا ہے اور ان سے اپنے دادا کی روایت کو فخر و ناز اور عزت و امتیاز کے ساتھ بیان فرمایا ہے ارشاد فرمایا۔ کہ عبدالعزیز قصاب کا ہمارے خاندان کے اکابر، اور خاندانی بزرگوں پر بھی بڑا احسان ہے کہ ان ہی کے ذریعہ سے ہمارے خاندان میں علم نبوت کی دولت منتقل ہوئی ہے فرمایا۔

سمع منه جدی الامام ابو المظفر السمعانی۔ میرے جد بزرگوار امام ابوالمظفر السمعانی نے ان سے حدیث کا سماع کیا۔

اس کے بعد علامہ سمعانی نے ابو رافع قصاب، ابو عبداللہ محمد بن علی قصاب کا تذکرہ کیا۔ ابھی اس سے فارغ نہ ہونے پائے تھے کہ ابو خباب عباد بن عون قصاب کے سوانح و آثار، ان کے حالات کا تذکرہ، کمالات پر تبصرہ اور ان کی علمی و دینی اور اشاعتی خدمات، بڑی عقیدت و اعتراف اور بڑی محبت اور بڑے جوش

وجذبے سے بیان کرنے لگے۔

ارشاد فرمایا، حضرت عباد قصابؒ مصر کے رہنے والے تھے۔ اس لئے مصر سے نسبت پر معروف تھے گوشت فروشی ان کا پیشہ تھا۔ انہیں تابعین میں جلیل القدر اساتذۂ حدیث اور ماہرینِ فن سے علومِ نبوت کی تحصیل وتکمیل کا شرف حاصل ہوا ان کے اساتذہ میں سرِفہرست حضرت قتادہ اور حضرت زرارہ بن ابی اوفیٰ ہیں۔ حضرت عباد قصاب، دونوں حضرات سے حدیث کی روایت کرتے ہیں اور دونوں سے نسبتِ تلمذ پر انہیں فخر تھا۔ موصوف کا علم، مسائل اور فتاویٰ اس لئے مشہور مقبول اور معتمد تھے کہ ان پر براہِ راست حضرت قتادہ اور حضرت زرارہ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ آپ کے علم وفضل اور شرف وتفوّق کی ایک دنیا قائل تھی۔ آپ کے ہاں طالبانِ علومِ نبوت کا ہجوم رہتا تھا۔ دسیوں کے دامن مرادوں سے بھرے جا رہے ہیں۔ دسیوں کو دستارِ فضیلت اور سندِ علم سے نوازا جا رہا ہے۔ دسیوں کو نئے داخلے مل رہے ہیں۔ عجیب سماں تھا اور عجیب منظر تھا اسلام کی عظمت شان چھلکتی نظر آتی تھی۔ بصرہ کے تمام مشائخ، محدثین اور بڑے بڑے علماء نے آپ سے کسبِ فیض اور علم حدیث کا اکتساب کیا۔ اس لئے تو آپ اہلِ بصرہ کے شیخ مانے جاتے تھے۔

ابھی عباد قصاب کا ذکر جاری تھا، علامہ سمعانی کی شیریں بیانی کا کیا کہئے تذکرے وتبصرے، تعارف اور سوانح وکارنامے سنا سنا کر سامعین وناظرین کا یقین بنا رہے تھے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ یہی یقین پختہ ہوتا جا رہا تھا۔ کہ یہ دنیا اور اس کی رونقیں چند روزہ اور فانی ہیں۔ دنیا کی وسعتیں اور تنگیاں سب آنی جانی ہیں اصل چیز علم دین اور فکر آخرت ہے جنہیں یہ دولت ملی وہی باقی اور جاودانی ہیں ــــ اسی ذیل میں [illegible]ن گفتگو ابوحمزہ میمون قصاب کا ذکرِ خیر چل پڑا، ارشاد فرمایا

موصوف بڑے متقی، پرہیزگار اور سیرت وکردار کے مالک تھے۔ انہیں ابتدائے شعور ہی سے تحصیلِ علم حدیث کا شوق، حضرت ابراہیم نخعی اور امام حسن بصری کی درسگاہ میں لے گیا۔ میمون قصاب نے دونوں اساتذۂ حدیث سے مکمل استفادہ کیا۔ اساتذہ نے بھی طالب صادق اور جوہر باصفا دیکھ کر پوری توجہ کی اور شفقت فرمائی۔ علومِ نبوت کا وافر خزانہ اپنے اس ہونہار شاگرد کے دل ودماغ اور قلب میں گویا انڈیل دیا قصابوں کے گروہ سے تعلق رکھنے والے اللہ کے اس نیک بندے اور اسلام کے عظیم خادم اور علومِ نبوّت کے بے مثال عالم وفاضل کے علم وفضل اور علم حدیث وتفسیر میں عبورِ کامل کے چرچے پوری دنیا میں پھیل گئے طلبہ دور دراز علاقوں سے رختِ سفر باندھ کر حاضرِ خدمت ہوتے اور جھولیاں مرادوں سے بھر بھر کر واپس ہوتے علوم ومعارفِ نبوت کی تقسیم جاری تھی۔ میمون قصاب ساقی کے مرتبۂ بلند پر فائز تھے۔

عظیم اور جلیل القدر محدثین، امام الحدیث حضرت امام سفیان ثوری، علم حدیث کے مشہور امام حماد بن سلمہ اور

عبدالحمید بن منصور جیسے افاضل وائمۂ حدیث بھی آپ ہی کی بارگاہِ علم وفضل میں خادمانہ حاضر ہو کر علم حدیث کی دولت سے مالامال ہوئے۔

اس قدر جلیل القدر اکابرین اور ائمۂ حدیث کے استاد و شیخ الحدیث، پیشہ اور کاروبار کے لحاظ سے قصاب تھے مگر سبحان اللہ! کہ علم وفضل اور دینی خدمات و درجات کے لحاظ سے ایک دنیا کے امام و مقتدا تھے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اس کے بعد قصابوں کے پیشے سے تعلق رکھنے والے کئی ایک مشاہیر اسلام اور ارباب علم وفضل کا تذکرہ فرماتے رہے۔ احقر محفوظ کرتا رہا۔ حافظہ تو گناہوں نے کمزور کر دیا ہے البتہ قلم پر زور رہا۔ یہ بھی محض خدا تعالیٰ ہی کا فضل وکرم ہے کہ کچھ تو محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور اکابر کی سنت بھی یہی ہے۔

کل ۹ ذی الحجہ سے حضرت علامہ سمعانی کی بارگاہِ روحانی میں مسلسل حاضری رہی۔ آج ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور عید الاضحیٰ کا مبارک دن ہے قربانیاں ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ علامہ سمعانی کی ناراضگی ختم ہو چکی تھی ان کا اعراض کامل توجہ میں بدل چکا تھا۔ زبان حال سے ارشاد فرمایا، مبارک ہو، اکابر اور اسلاف کا شب وروز علم سے تعلق تھا خوشی اور غمی علم سے وابستہ تھی، تنگی اور وسعت پر علم کی چھاپ تھی۔ حیات اور وفات بھی علم کی راہ میں تھی۔ چھٹی کا تصور بھی نہیں تھا۔ عید کا دن، گویا سب سے زیادہ، تحصیل علم کا دن تھا ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ روزن کھلا اور "تدوین حدیث" کے دریچہ سے علامہ مناظر احسن گیلانی کی روح پکار اٹھی۔

مبارک ہو! مبارک ہو حضرت امام مالک کی یاد تازہ کر دی ہے۔ ارشاد فرمایا، امام مالک حضرت نافع اور شہاب زہری سے تحصیل علم حدیث اور فائدہ اٹھانے میں ہمہ تن متوجہ تھے۔ ان کے گھر جاتے اور ان کے نکلنے کا انتظار کرتے تھے۔ تاکہ حصول علم، نہایت صحت اور سکون سے تکمیل کو پہنچ سکے۔ چنانچہ روایت ہے کہ عید آئی۔ امام مالک نے سوچا کہ آج ایسا دن ہے کہ ابن شہاب زہری خالی ہوں گے۔ عید کی نماز پڑھ کر لوٹے اور ان کے دروازے پر جا کر بیٹھ گئے۔

سنا! کہ ابن شہاب زہری اپنی لونڈی سے فرما رہے تھے دیکھو دروازے پر کون ہے؟

لونڈی آئی! دیکھا اور واپس ہوئی اور ابن شہاب سے عرض کیا، آپ کا نا بعد ارشاگرد، سرخ وسفید رنگ والا مالک ہے۔ کہا اسے بلا لاؤ۔ چنانچہ بلانے پر امام مالک داخل ہوئے۔ ابن شہاب زہری نے فرمایا، مالک! تم عید کی نماز پڑھ کر گھر نہیں گئے؟ امام مالک نے جواب دیا کہ نہیں۔ فرمایا، تم نے کچھ کھایا بھی ہے۔ امام مالک نے عرض کیا نہیں۔ فرمانے لگے کچھ کھا لو۔ میں گھر سے بھیج دیتا ہوں۔ امام مالک نے عرض کیا جی نہیں۔ نہیں کھاؤں گا۔ اس کی ضرورت نہیں۔ فرمانے لگے پھر کیا ارادہ ہے۔ کیسے آئے؟ امام مالک نے عرض کیا بس صرف حدیث پڑھنے آیا ہوں، سبق پڑھائیے۔
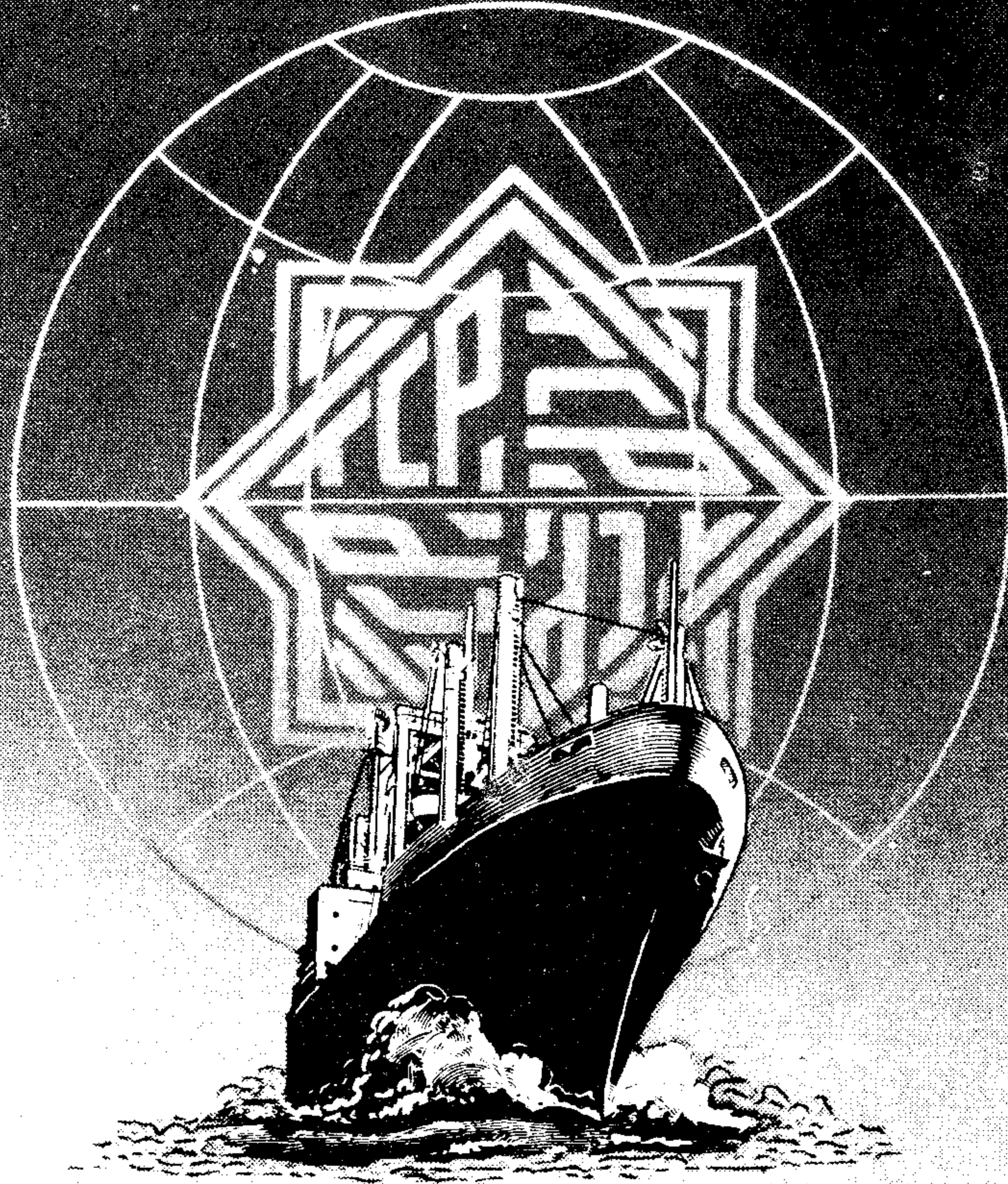
يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۠

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

دارالعلوم کے
شب و روز

ضبط و ترتیب :۔ مولانا عبدالقیوم حقانی

تعلیم اور امتحانات طالب علم کی زندگی کا مقصد اولین

دارالعلوم میں جلسہ تقسیم انعامات سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ اور مولانا سمیع الحق کا خطاب

اس سال دارالعلوم کی امتحانی کمیٹی کے اہم فیصلوں سے بحمد اللہ طلبہ میں جذبہ تحصیل علم محنت و تکرار اور ذوقِ مطالعہ کی زبردست انگیخت ہوئی جس کے نتیجہ میں سہ ماہی امتحانات کے نتائج مجموعی طور پر سابقہ روایات سے بہت بہتر رہے ۔ چنانچہ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۸۶ء کو حسب اعلان دارالعلوم کی جامع مسجد میں جلسہ تقسیم انعامات منعقد ہوا ۔ دارالعلوم کے اساتذہ و مشائخ اور طلبہ شریک ہوئے ۔ تلاوت کلام پاک کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق مدظلہ نے حمد و صلواۃ اور خطبہ کے بعد درج ذیل افتتاحی کلمات ارشاد فرمائے ۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تعلیم گاہ اور درسگاہ پیدا فرمائی ۔ عبادت گاہ اپنی جگہ ضروری اور اہم ہے ۔ مگر تعلیم گاہ اس سے بھی اہم و اقدم ہے ۔ تو اللہ کریم نے لوحِ محفوظ کو پیدا فرمایا ۔ عرش و کرسی پیدا فرمائی ۔ اور لوحِ محفوظ کو علم و عرفان کا چشمہ اور منبع بنا دیا ۔ اور جب مدرسہ بن جاتا ہے تعلیم گاہ قائم ہو جاتی ہے ۔ تو اس کے لئے طلبہ کی ضرورت ہوتی ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ملائکہ کی تخلیق فرمائی ۔ اور ان کو درسگاہِ علم و معرفت کے اولین طلبہ بننے کا شرف عطا فرمایا ۔ خدا کی شان دیکھئے ۔ کائنات میں اولین معلم اور استاذ خود اللہ پاک ہیں ۔

وعلم الادم الاسماء کلھا ۔ اور سکھا دئے اللہ نے آدم علیہ السلام کو نام سب چیزوں کے ۔

اللہ پاک نے حضرت آدم کو تعلیم دی ۔ سبق پڑھایا ۔ اسماء کے نام سکھائے تعلیمی تربیت فرمائی ۔ تعلیمی تربیت کے بعد طلبہ کا امتحان لینا ان میں صلاحیت کی پختگی اور اسباق میں ترقی کی ضمانت ہوتا ہے ۔ خود اللہ پاک نے پھر امتحان بھی لیا اولاً ملائکہ سے سوال دریافت ہوا ۔

انبئونی باسماء ھؤلاء ۔ بتاؤ مجھے نام ان سب کے ۔

فرشتوں نے عرض کی اے بار الٰہ ، ہمیں تو وہی کچھ یاد ہے جو آپ نے سکھایا ہے جس درجہ کی تعلیم دی ہے

قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا — عرض کی پاک ہے تو، ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا

انت العلیم الحکیم ۝ — آپ نے ہم کو سکھایا بے شک تو ہی ہے اصل جاننے والا حکمت والا۔

تب حضرت آدم سے اللہ پاک نے امتحان لیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے صحیح جوابات دئے۔ امتحان میں کامیاب ہوئے۔ تو اللہ کریم نے انعام سے نوازا اور خلافت ارضی کا گراں قدر انعام عطا فرمایا۔

انی جاعل فی الارض خلیفۃ — کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔

ہمارا یہ دارالعلوم تعلیمی سلسلہ اسباق امتحانات اور آج یہ تقریب انعامات بھی اسی سلسلہ کی نیابت ہے جو خود خدا نے جاری فرمایا ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ۔ آج دارالعلوم کی طرف سے تمہارے امتحانات میں بہترین نتائج پر انعامات دئے جارہے ہیں۔ یہ دنیا کا اعزاز تو ہے ہی ، آخرت کا اعزاز بھی ہے۔ خود اللہ پاک بڑے بڑے اعزازات سے نوازیں گے۔ صرف طلبہ ہی کو نہیں ان کے والدین کو بھی اولاد کی اعلیٰ تعلیم پر انعامات سے نوازا جائے گا۔ ایسے طلبہ کے والدین کو قیامت کے روز موتیوں سے مرصّع تاج پہنائے جائیں گے۔ ایک ایک موتی کی روشنی دنیا کے ہزاروں سورج سے بڑھ کر ہوگی۔

تعلیم عزت و رفعت اور اللہ کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ باری تعالیٰ نے اس عظیم انعام سے آپ کو نوازا ہے دعا ہے کہ باری تعالیٰ ہم سب کو علم نافع کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بعض اساتذہ کے اصرار پر اس مبارک تقریب سے جناب مدیر الحق مولانا سمیع الحق مدظلہ نے بھی مختصر خطاب فرمایا ذیل میں وہی پیش خدمت ہے۔

حمد و صلوٰۃ اور خطبہ کے بعد، محترم بزرگو دوستو اور عزیز طلبہ !

دارالعلوم تعلیم گاہ اور مدرسہ انسان کی روحانی ماں اور مادر علمی ہوتی ہے۔ باپ کی نسبت سے ماں کی شفقت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر نسبی ماں کی شفقت سے روحانی ماں کی شفقت دس چند بڑھ کر ہوتی ہے یہ دارالعلوم آپ کی مادر علمی ہے۔ آپ اس کے بچے اور جگر گوشے ہیں۔ آپ اس کی روحانی اولاد ہیں۔ جسمانی رشتہ اگرچہ اپنی جگہ ایک مضبوط تعلق اور قوی رشتہ اور رابطہ ہے۔ مگر روحانی رشتہ اس سے بھی کئی گنا بڑھ کر قوی اور مضبوط رشتہ ہے۔ قیامت کے روز سارے جسمانی رشتے ختم ہو جائیں گے۔ اپنے قریب سے قریب رشتہ دار بھی ساتھ چھوڑ دیں گے۔ قرآن میں اس کی تصریح آئی ہے کہ قیامت کی ہولناکی سے نسبی رشتے کسی کو بھی یاد نہیں رہیں گے حتیٰ کہ والدین اپنی اولاد، والدہ اپنے جگر گوشوں کو اور خاوند اپنی بیوی کو بھائی بھائی کو بھول جائے گا۔

یوم یفر المرء من اخیہ و امہ و ابیہ و صاحبتہ و بنیہ لکل امرئ منھم یومئذٍ شان یغنیہ ۔　　(القرآن)

دیکھئے! قرآن مجید میں صراحتاً یہ مذکور ہے کہ سارے نسبی رشتے ختم ہو جائیں گے مگر قرآن میں یوں کہیں نہیں آیا کہ روحانی رشتہ بھی ختم ہو جائے گا یا روحانی باپ اولاد کو بھلا دے گا ۔ یا روحانی اولاد ، اپنے باپ کے کام نہیں آئے گی ۔ امت کے لئے روحانی باپ پیغمبر ہوتا ہے ۔ قرآن میں یہ کسی جگہ بھی مذکور نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو بھلا دیں گے یا اساتذہ اپنے تلامذہ کو اور صالح تلامذہ اپنے مہربان اساتذہ کو فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے ۔ بلکہ قرآن میں اس کی بھی تصریح مذکور ہے کہ

الاخلاء یومئذٍ بعضھم لبعض عدوٌ الا المتقین ۔　　جتنے دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ۔

بہرحال سارے نسبی رشتے کٹ جانے والے ہیں روحانی رشتہ باقی رہے گا پھر ان روحانی رشتوں میں سب سے زیادہ قوی اور مضبوط رشتہ مادرِ علمی کا ہے تعلیم گاہ اور مدرسہ کا ہے ۔ مدرسہ اور دارالعلوم ہم سب کی روحانی ماں ہے مہربان اور شفیق ماں ہے اسی لئے اسے مادرِ علمی کہتے ہیں جس طرح ماں کا یہ فرض ہے بلکہ اس کی فطرت اور مزاج کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنی اولاد پر شفقت کرے ان کی تعلیم و تربیت کرے ان کی نگہداشت کرے ان کی حفاظت اور علمی ترقی اور حصول کمال میں راہ ہموار کرے ، وسائل تلاش کرے ۔ آخر یہ ماں ہی تو ہے کہ اس کی نظر میں اس کی تمام اولاد ، اس کے جگر گوشے ہیں خواہ وہ نیک اور صالح ہوں یا باغی اور سرکش سب اس کی نظر میں برابر ہیں سب سے ان کو پیار ہے ۔ اس کی محبت بھی اصلاح کے لئے اور اس کی تنبیہ و اعراض بھی اصلاح کے لئے ۔

اسی طرح مادرِ علمی کے روحانی فرزندوں کا بھی یہ اخلاقی اور دینی فریضہ ہے کہ وہ اپنی درسگاہ کا اور اپنے مدرسہ و دارالعلوم کا جو ان کی مادرِ علمی ہے کا پورا احترام کریں ۔ اس کے وقار کو بلند کریں ۔ اس کی عظمت کو بڑھائیں دارالعلوم کی روحانی ذریت اور روحانی اولاد کا یہ فرض ہے کہ وہ ادارہ کے اساتذہ سے ادنیٰ کارکنوں ، خدام اور چپڑاسی تک کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھیں ۔ آپ یاد رکھیں ، میرا ایمان ہے جس مدرسہ میں بھی آپ سبق پڑھیں اس مدرسہ کی نالیاں اور بیت الخلاء صاف کرنے والے خدّام بھی عنداللہ واجب الاحترام ہیں ۔ ہمارے اکابر علماء دیوبند کی تاریخ ہے ان کا ماضی روشن ہے ۔ یہی ادب و احترام تھا جس نے ان کی عظمت کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا ۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور دیگر اکابر علماء دیوبند جب رات کو سوتے یا دن کو قیلولہ کرتے تو گنگوہ شریف کی طرف کبھی بھی پاؤں پھیلا کر نہیں سوئے ، حالانکہ گنگوہ تو ان کے جانب مشرق تھا کیونکہ وہ گنگوہ شریف کو اپنی روحانی مادرِ علمی یقین کرتے تھے اور نہ پیشاب کرتے وقت ادھر رخ کرتے تھے ۔

میرا ایمان ہے جب تک مادر علمی یعنی مدرسہ کے در و دیوار، شجر و حجر، اور اس کے ذرہ ذرہ سے عقیدت و احترام کا تعلق نہیں رکھا جائے گا علم کی حقیقی اور روحانی برکتیں حاصل نہیں ہوں گی۔

دراصل مدرسہ کی ان دیواروں اور پتھروں کی فی نفسہ کوئی اہمیت نہیں۔ دراصل قابلِ احترام و عظمت وہ نسبت ہے جو انہیں دین سے قائم ہے۔ مساجد کے در و دیوار، اینٹ پتھر اور چونے سے مخلوط ہیں۔ ان میں اور عام مکانات میں کوئی فرق نہیں۔ مگر جب انہیں اللہ تعالیٰ سے نسبت ہو جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے گھر قرار پاتے ہیں اور شعائر اللہ کا مقام حاصل کرتے ہیں۔ تو ان کا مقام و احترام اور بڑھ جاتا ہے اسی طرح یہ دینی مدارس بھی اللہ کے دین کے شعائر ہیں انہیں دین سے ایک نسبت ہے۔ یہ انسان کی روحانی ماں ہیں۔ یہ آپ جو بخاری پڑھتے ہیں علوم و فنون کی درسیوں کتابیں پڑھتے ہیں۔ یہ سب شعائر اللہ ہیں۔ آپ کے اساتذہ اور یہ دارالعلوم سب شعائر اللہ ہیں۔ تو جس طرح دارالعلوم کا یہ فرض ہے کہ وہ تمہاری خیر خواہی اور فلاح و بھلائی کی خاطر سوچیں، اقدامات کریں۔ آپ یقین جانیں مدرسہ یا اساتذہ کبھی یہ سوچ ہی نہیں سکتے کہ طلبہ کی زندگی برباد کردی جائے۔

الدین النصیحۃ۔ دین تو ہے ہی خیر خواہی۔

اولاد نالائق ہو، سرکش ہو، باغی ہو تو والدین زجر و تنبیہ بھی کرتے ہیں۔ سزا بھی دیتے ہیں، تاکہ اصلاح ہو اور اخلاقی کمالات حاصل ہوں۔ اولاد اگر برے اخلاق میں مبتلا ہے باغی و سرکش ہے تو اس سے والدین کی بدنامی بھی ہوتی ہے اور اولاد کی نااہلی سے والدین کے دل پر آرے چلتے ہیں۔ یہی حال روحانی ماں اور روحانی والدین کا ہے۔ بلکہ روحانی مربی کو تو نسبی مربیوں سے کئی درجے بڑھ کر اپنی اولاد سے تعلق ہوتا ہے۔ اولاد کی نااہلی، ان کے لئے بہت زیادہ تکلیف دہ امر ہوتا ہے۔ اس لئے اساتذہ تحصیل علم اور حصول کمال کی خاطر طلبہ میں کبھی ترغیب کا رویہ اختیار کرتے ہیں کبھی ترہیب کا۔ غرض دونوں صورتوں کی ایک ہی ہوتی ہے۔ کہ طلبہ کو نفع حاصل ہو۔

دیکھئے! والدین نے آپ کو وقف کردیا ہے دین کی تعلیم کے لئے، خدمت دین کے لئے انہیں تمہاری ضرورت تھی۔ معاش کے لئے کاروبار کے لئے، تجارت کے لئے ملازمت کے لئے، خدمت کے لئے۔ مگر وہ اپنا سب کچھ تج کر تمہارا بنا رہے ہیں۔ وہ تمہارے لئے کماتے ہیں۔ تمہارے لئے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ تو ان حالات کے پیش نظر طلبہ کا یہ فرض ہے کہ دارالعلوم میں رہتے ہوئے ہمہ تن تعلیم پر توجہ دیں۔ یہاں تمہارا اہم اکبر وہ تحصیل علم ہی ہو۔ باقی ساری سرگرمیاں فارغ التحصیل ہونے کے بعد کرنی چاہئیں۔

میرے نزدیک موجودہ حالات میں جہادِ افغانستان ملت کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اور سب کچھ پر مقدم ہے۔ میرے نزدیک اس جہاد کی حیثیت بھی بدر و حنین کے جہاد کی طرح اہم ہے۔ جس کو اس کے جہاد ہونے میں شک ہے اس کے ایمان کا خطرہ ہے۔ مگر میں طلبہ علوم دینیہ کے لئے تعلیم کے ایام میں اس جہاد کو غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ اولاً خود کو زیور علم سے

الحق

راستہ کرلو۔علم وفضل سے مسلح ہوجاؤ۔خود کو علم سے بھرلو۔جب اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوتو ہر میدان میں کامیابی تمہارے

قدم چومے گی۔

عزیز طلبہ! علم میں محو ہو جانے سے علمی ترقی کے راستے کھلتے ہیں۔آخرت میں یہی راستہ نجات کا ذریعہ ہے۔حضرت

امام ابو یوسف پر نزع کی حالت طاری تھی۔مگر اس حالت میں بھی وہ رمی جمار کے مسئلہ میں ابراہیم ابن الجراح سے

فرمار ہے تھے کہ رمی جمار پیدل بھی درست نہیں اور سوار ہو کر بھی صحیح نہیں۔بلکہ جو شخص وہاں دعا کے لئے رکنا چاہتا

ہو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ پاپیادہ رمی جمار کرے۔اور جو نہ رکنا چاہے اس کے لئے افضل یہ ہے کہ سواری پر بیٹھے

بیٹھے رمی جمار کرے اور آگے بڑھ جائے۔

ابن الجراح فرماتے ہیں کہ میں ذرا دیر بیٹھ کر امام ابو یوسف سے رخصت ہوا مشکل سے دروازہ تک پہنچا ہوں گا

کہ کان میں رونے دھونے کی آواز آئی جب پلٹا تو معلوم ہوا کہ قاضی ابو یوسف رحلت فرما گئے ہیں۔

پروفیسر آرنلڈ کا واقعہ تو مشہور ہی ہے۔شبلی نعمانی اور علامہ اقبال کا استاد تھا۔شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ

ایک مرتبہ ایک ہی جہاز میں سفر کرنے کا موقع ملا۔ڈاکٹر آرنلڈ لندن جار ہے تھے۔اور جناب شبلی نعمانی استنبول جانا

چاہتے تھے۔کہ اچانک جہاز طوفان کی زد میں آگیا۔مسافر بے چین ہو گئے۔نچلے حصے کی سواریاں سب اپنی اپنی جگہوں کو

چھوڑ کر اوپر آگئیں۔سب پریشان تھے۔شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ مجھے خیال آیا کہ اپنے استاذ آرنلڈ کا حال معلوم کروں چنانچہ

میں نیچے ان کے پاس حاضر ہوا۔مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سب کو اپنی زندگی بچانے کی فکر ہے موت وحیات کی کشمکش

میں ہیں اور جناب آرنلڈ ہمہ تن مطالعۂ کتاب میں محو ہیں۔

شبلی فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا کہ سارے لوگ پریشان ہے۔موت کے مناظر سامنے ہیں۔آپ

بھی اوپر تشریف لے آیئے۔فرمانے لگے۔مجھے معلوم ہے کہ جہاز طوفان کی زد میں ہے۔اور موت آنے والی ہے اور جب موت

آنے والی ہے تو یہی بہتر ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کو مکمل کر لوں نہ جانے موت آئے اور میرا مطالعہ نامکمل رہ جائے۔شبلی نعمانی

ان سے اور ان کی مطالعاتی ذوق سے بے حد متاثر ہوئے۔

بہرحال عرض یہ کر رہا تھا کہ آپ طلبہ علوم دینیہ میں آپ کے یہ اوقات بہت قیمتی ہیں آپ کا سب سے اہم فالاہم کام اوقات

کی قدر ہے۔وقت ایک ایسی تلوار ہے جو کاٹتی ہے مگر کٹتی نہیں۔اللہ کے حقوق کی قضا ممکن ہے۔مگر وقت کے حقوق کی

قضا ناممکن ہے۔وقت کا حق یہ ہے کہ اس کو بہتر مصرف میں لگایا جائے۔جب وقت بے فائدہ گذر گیا تو اس کو کیسے

لوٹایا جا سکتا ہے۔آپ کے اوقات ہیں ان کے آپ پر حقوق ہیں۔آپ کے موجودہ اوقات کا حق صدق دل اور شبانہ روز

محنت سے تحصیل علم ہے۔آپ خود کو ہمہ تن اس مصرف میں لگا دیں اگر وقت ضائع ہو گیا تو عمر بھر اس کی تلافی ناممکن ہے

مگر یاد رکھنا،علم آپ کے پاس ہے،دین آپ کے پاس ہے خزانہ آپ کے پاس ہے۔شیطان اور خارجی قوتیں ان کی نظر میں

بھی آپ پر ہیں ۔ امتحانات اور آفات و بلیّات آپ پر آئیں گی ۔ لکل شیئ آفۃ وللعلم آفات ۔ بہرحال یہ امتحان اور انعامات کا سلسلہ آپ کی حوصلہ افزائی اور ہمت آفرینی کی غرض سے منعقد ہوا ہے ۔ جو طلبہ کامیاب ہوئے ہیں یہ ان کا تاریخی اور یادگار کارنامہ ہے ۔ وہ اس سے عجب و خود پسندی میں مبتلا نہ ہوں ۔ خدا کا شکر ادا کریں اور جو طلبہ کمزور رہے ہیں یا نتیجہ اچھا نہیں رہا ۔ انہیں ہمت کرنی چاہیئے کہ ششماہی امتحانات میں اعلیٰ نمبر حاصل کریں ۔ یہ گراں قدر انعامات آپ کے مستقبل کی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں ۔ ۱۵، ۱۶ سال بعد یہ یادگاریں تمہیں یاد آئیں گی ۔ یہ مناظر یاد آئیں گے تو رلائیں گے ۔ میری دعا ہے کہ باری تعالیٰ ہم سب کو علم باعمل اور عمل صالح کی دولت سے نوازے ۔

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی تقریر کے بعد مولانا مفتی غلام الرحمٰن نے تمام درجات میں اول، دوم آنے والوں کے نام لے کر نتائج سناتے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ اپنے دستِ مبارک سے طلبہ کو انعامات عنایت فرماتے رہے ۔ نتائج کی تفصیل درج ہے ۔

دورۂ حدیث سے لے کر تحتانی درجات قرأت و تجوید اور حفظ القرآن تک اپنی اپنی جماعت میں جن طلبہ نے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی ان کے نام یہ ہیں ۔

حافظ اشرف علی مردانی ۔ حافظ شوکت علی مردانی ۔ حافظ اختر علی مردانی ۔ حافظ امان اللہ پشاوری ۔ عبدالتواب افغانی ۔ حافظ عبدالرؤف اور حافظ سعید اللہ ۔

دوسرے درجہ میں کامیاب ہونے والے طلبہ کے نام یہ ہیں ۔ حبیب اللہ قندہاری ۔ مرحم اللہ سواتی ۔ بشیر بہادر ڈیروی ۔ محمد کلیم افغانی ۔ عبدالقہار افغانی اور محمد رشید ۔

تیسرے درجے میں درج ذیل طلبہ کامیاب ہوئے ۔

دوست محمد کوہاٹی ۔ محمد ظفر افغانی ۔ نذیر احمد ڈیروی ۔ عبدالقادر بلوچستانی ۔ محمد لیٰسین پشاوری ۔ فضل عظیم سواتی ۔ عبدالحمید سواتی ۔ عبدالتواب ترکستانی ۔ شمس الرحمٰن اور ظہور اللہ ۔

جلسہ کے اختتام پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے اساتذہ و طلبہ ۔ کارکنانِ مدرسہ، خدام، متعلقین، معاونین اور ملک و بیرونِ ملک دارالعلوم سے وابستگان کے لئے ترقی و فلاح اور نجات و کامرانی کی دعائیں کیں ✣